© rasailojaraid.com

سُود - قمار - لاٹری - بیما وغیرہ[1]

اور

اسلام

نبی آخرالزمان (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے بطور پیشین گوئی فرما دیا تھا۔

عن ابی هریرة رضی الله تعالی عنه عن رسول الله صلّی الله علیه وآله وسلّم قال لیاتین علی الناس زمان لا یبقی احدٌ الا اکل الربو فان لم یاکل اصابه من غباره ویروی من غباره (ابوداؤد ص١١٧- نسای - ابن ماجه وغیرہ)

قولہ غبارہ اثرہ بان یکون موکلا اوشاهدا او کاتبا او ساعیا او اکل من ضیافته وهدیته (مرقاة ولمعات)

عن ابی هریرة رضی الله تعالی عنه عن النبی صلی الله علیه وآله وسلم قال یاتی علی الناس زمان لا یبالی المرء ما اخذ منه امن الحلال ام من الحرام (بخاری ص٢٧٦)

(چنانچہ ابوداؤد وغیرہ نے نقل کیا ہے) کہ لوگوں پر ایسا وقت آئیگا کہ ان میں کوئی ایسا نہوگا جو سود خوار نہوگا۔ کوئی خود (یعنی بلا واسطہ) سود نہ کھائیگا تو اسکو سود کھانیکا یا غبار تو ضرور پہنچ رہیگا (یعنے وہ سود خوار سے بذریعہ ضیافت ہدیہ وغیرہ اسکا حصہ پائیگا یا وہ معاملہ سود کا بواسطہ شہادت کتابت وغیرہ مددگار ہوگا۔)

پھر یہی آپ نے فرمایا تھا چنانچہ امام بخاری نے نقل کیا ہے کہ لوگوں پر ایسا وقت آئیگا کہ آدمی پرواہ نہ کریگا کہ جو مال وہ لیتا ہے حلال ہے یا حرام۔

پھر پیشین گوئی ایک مدت سے صادق اور واقعہ کے مطابق ہو رہی ہے اور اس وقت تو اسکا صدق ومطابقت ایسے ظاہر و باہر ہے کہ اس میں کسیکو مقال کی مجال

[1] وغیرہ سے تھیٹر مراد ہے۔ یعنے وہ تماشا جو مہذب نقال کرتے ہیں ۱۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہین ہے۔

گذشتہ صدی کے اوائل تک تو یہ امور (سود خواری و نا پرہیزگاری) اہل اسلام کے عوام اور نا واقف اشخاص مین محدود تھی۔ اس کے اواخر مین ان امور نے ایسا شیوع پایا کہ خواص و باخبر اہل اسلام کو بھی شامل کرلیا۔

اس وقت تو انکے شیوع کا یہ حال ہے کہ اہل اسلام کے اخص خواص مقدس علماء اور مشاہیر فضلا خواہ کسی فرقہ اسلامی (شیعہ و سنی۔ اہلحدیث۔ و اہل فقہ۔ قائلین تقلید سابقین اور اس کے منکرین) اس سے نہین بچتے۔ اور اولڈ فیشن (پرانے خیال کے) رہبر۔ اور نیو فیشن (نئے خیال کے) مہذب و ریفارمر (مصلحان قوم) انکی ترویج و اشاعت مین سرگرمی کے ساتھ مصروف ہین۔

پہلے تو صرف نیو فیشن کے ریفارمرون نے انکے ترویج کا بیڑا اٹھایا تھا۔ مضامین جواز سود کو شائع کیا۔ چھاپا۔ سودی معاملات کو قومی کامون کا مدار ٹھیرایا۔ لاٹریون سے جوا کھیلکر دکھا دیا تھیٹر (تماشا) دکھاکر قومی کامون کے لئے روپیہ جمع کیا۔

اب اولڈ فیشن کے مقدس رہبرون نے بھی ان امور کا حصہ لیا ہے۔ سود کا لین دین بے کھٹکہ جاری کردیا ہے۔ قمار بازی سے دریغ روا نہین رکھا۔ تماشا خود نہین کیا تو تماشے کی کمائی کو قومی کامون مین لانا جائز سمجھا۔

ان مین زیادہ تر افسوس اور تعجب کے لائق وہ لوگ ہین جو اہل حدیث کہلاتے ہین اور آسمانی باوشاہت کو اپنا حصہ اور اخروی نجات کو اپنا خاصہ اور پیروی سنت سنیہ اپنا شیوہ خیال کرتے ہین و معہذا وہ سود و قمار کے معاملات سے نہین بچتے۔ اراضی کو رہن رکھکر انکا سود کہاتے ہین۔ بیمہ کراتے ہین۔ لاٹری ڈال کر مال کماتے ہین و علے ہذا القیاس۔ جب یہ حالات سنے اور دیکھنے مین آرہے ہین تب ہی سے اسلامی حمیت اور اخوانی نصیحت محرک و باعث تھی کہ اسباب مین ایک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مفصل مضمون شائع کیا جاوے جس سے ان لوگون کو جو غلطی فہم یا خطاء اجتہاد سے ان معاملات کو جائز سمجہہ رہے ہین اپنی غلطی پر اطلاع ہو۔ اور ہدایات شریعت پر عمل نصیب ہو۔ لیکن کئی قدرتی اور اختیاری عوایق اس امر اہم سے مانع رہے ہے۔ اب خدا تعالے نے توفیق عطا فرمائی ہے۔ تو وہ حمیت ظہور مین آئی۔ اور اس مضمون کے تحریر سے اُس نصیحت کی نوبت پہنچی۔

پس اس مضمون مین اوّلاً سود سے بحث کیجاتی ہے۔ پہر قمار (جوئے) سے بحث ہوگی۔ اس کے بعد لاٹری بیمہ۔ اور تماشا کی نسبت راے ظاہر کیجاویگی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

مَعذرۃً الی ربنا ولعلھم یتقون

سُود کی بحث

لفظ "سود" عربی لفظ "ربا" کی جگہہ استعمال کیا جاتا ہے۔ "ربا" کا اصلی ترجمہ زیادتی یا بڑہوتری ہے۔ اور چونکہ سود مین یہہ زیادتی یا بڑہوتری پائی جاتی ہے۔ لہذا ربا کے ترجمہ مین اسکا استعمال نہایت موزون ہے۔ خصوصًا اس ربا کے ترجمہ مین جو قرض کی صورت مین پایا جاتا ہے۔

سُود دو قسم ہے۔ ایک قرض کا سُود۔ دُوسرا بیع کا۔

قسم اوّل۔ (قرض کے سود) کی صُورت جو زمانہ جاہلیت مین مروج تھی۔ اور باتفاق مانعین سلف و خلف و مجوزین زمانہ حال وہی صُورت آیۃ ربا کی مورد نزول ہے۔ یہہ ہے کہ اصل رقم قرض کے علاوہ میعاد قرض کے مقابلہ مین کچہہ رقم لیجائے۔

امام مالک اپنی کتاب موطا مین زید بن اسلم تابعی سے نقل کرتے ہین

کہ زمانہ جاہلیت کا سُود یہہ تھا کہ ایک شخص	مالك عن زید بن اسلم انه كان الربو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فی الجاھلیۃ ان یکون للرجل علی الرجل الحق الی اجل فاذا حل الاجل قال اتقضی ام تربی فان قضی اخذ والا زادہ فی حقہ واخر عنہ فی الاجل (موطا ص ۲۴۹)

کا دوسرے کے ذمہ ایک میعاد کا قرض ہوتا جب وہ میعاد گذر جاتی تو قرض خواہ مقروض کو یوں کہتا کہ اب قرض ادا کروگے یا اصل رقم قرض بڑھاؤگے۔ وہ قرض ادا کرتا تو وہ اس سے لے لیتا۔ ورنہ مقروض رقم بڑھا دیتا۔ اور قرض خواہ میعاد زیادہ کر دیتا۔

امام رازی تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں۔ قرض کا سود ایک ایسا امر ہے جو زمانہ جاہلیت میں معروف ومشہور تھا۔ اس کی صورت یہہ تھی کہ ایک شخص دوسرے کو اس شرط پر کچھ مال قرض دیتا تھا۔ کہ وہ ہر مہینے میں ایک رقم معیّن (سُود) اسکو دیتا رہے۔ اور اصل رقم بدستور اس کے ذمہ باقی رہی۔ پھر جب میعاد قرض گذر جاتی تو قرض دہندہ اپنی پوری رقم کا مقروض سے مطالبہ کرتا وہ ادا کر سکتا تو قرضخواہ میعاد بڑھا دیتا۔ اور مقروض اصل رقم قرض کو زیادہ کر دیتا۔

واما ربو النسیئۃ فھو الامر الذی کان مشھورًا متعارفًا فی الجاھلیۃ وذلک انھم کانوا یدفعون المال علی ان یاخذوا کل شھر قدرًا معینًا ویکون راس المال باقیًا ثم اذا حل الدین طالبوا المدیون براس المال فان تعذر علیہ الاداء زادوا فی الحق والاجل (تفسیر کبیر ص ۵۲۹ ج ۳)

ایسا ہی اور کُتب تفاسیر واحادیث مؤلفہ سلف وخلف علماء اسلام میں جو قرض کے سود کو حرام سمجھتے ہیں، قرض کے سود کی صورت بیان ہوئی ہے۔ اب ہم زمانہ حال کے مجوّزین سود کا کلام اس کی تائید وتصدیق میں نقل کرتے ہیں۔

اس وقت کے ایک بیقرار مرجو مالداروں سے قرض کا سُود لینا جائز رکھتے ہیں اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ ربا النسیئہ وہ ہے جو عرب کے لوگوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہین زمانہ جاہلیت مین مشہور و معروف تہا - اور وہ یہہ تھا کہ ایک شخص دوسرے شخص کو کچہہ مال دیتا تہا - اس اقرار پر کہ مدیون ہر مہینے ایک مقدار معین اسکو دے اور راس المال بدستور مدیون کے ذمہ باقی رہے - جب وعدہ ادائے راس المال کا گذر جاتا تھا - تو دائن پورا روپیہ اپنا طلب کرتا تھا - اور اگر وہ نہ دے سکتا تھا تو میعاد بڑہا دیتا تہا - راس المال کو بھی بڑھا دیتا تھا - اور اس پر ہر مہینے ایک مقدار معین لیتا تھا - پس جو مقدار کہ ماہواری لیجاتی تھی - یا جو اضافہ کہ راس المال مین کیا جاتا تھا اس پر عرب جاہلیت ربا کا اطلاق کرتے تھے - اور اسی کی حرمت اس آیت مین آئی ہے اور لفظ " حرم الربا " سے یہی خاص ربا حرام ہوا ہے - یہی طریقہ ربا کا جو عرب جاہلیت مین جاری تہا - بعینہ ہندوستان کے سود خورون مین جاری ہے - کہ وہ ایک شخص کو قرض دیتے ہین اور اس پر ماہوار یا ششماہی سُود لیتے ہین - اور اگر وہ میعاد پر ادا نہین ہوتا - تو اس کو بھی اصل مین داخل کر دیتے ہین - اور مجموع اصل و سود پر پہر سود لیتے ہین - اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ میعاد ادا منقضی ہونے پر دوسری میعاد بڑہا دیتے ہین اس طرح پر کہ میعاد بڑہانے کے عوض کبھی کچھ نقد روپیہ لے لیتے ہین - اور کبھی مقدار اصل کو زیادہ کر دیتے ہین اور ایسا بہی کرتے ہین کہ غلہ ایک میعاد معین کے لئے قرض دیتے ہین - اور یہہ اقرار کرتے ہین - کہ جتنا دیا ہے اُسکا ڈیوڑہا یا دگنا لین گے - اور جب میعاد پر ادا نہین ہوتا ہے تو اُس اضافہ کو بھی اصل مین شامل کر کے میعاد بڑہا دیتے ہین - اور اس مجموع پر ڈیوڑہا یا دگنا لینے کا اقرار کرتے ہین - یہہ سب صورتین اس ربا کی ہین - جسکا ذکر اس آیت مین ہے - اور بلا شبہہ یہہ ربا حرام ہے "

قسم دوم (بیع کی سُود) کی کئی صورتین ہین جو احادیث نبویہ سے ثابت ہوتی ہین -

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ازانجملہ ایک صورت یہ ہے کہ چاندی، سونے، گیہوں، جو، کھجور اور نمک کا مبادلہ اپنے ہم جنس سے (مثلاً چاندی کا چاندی سے یا سونے کا سونے سے) کریں تو اس میں ایک جانب زیادتی ہو، دوسری جانب کمی۔ (مثلاً ایک روپیہ کے بدلے دو روپیہ لیں یا سیر گیہوں کے بدلے دو سیر گیہوں۔)

دوسری صورت یہ ہے کہ ان چھ چیزوں میں سے کسی چیز کا اپنے ہم جنس یا غیر جنس (مگر ہم پیمانہ و ہم وزن) سے (مثلاً چاندی کا چاندی یا سونے سے) مبادلہ کریں تو ایک جانب نقد ہو دوسری ادھار (مثلاً آج روپیہ دیا اور کل اسکے بدلے چاندی یا سونا لینا کیا)

تیسری صورت یہ ہے کہ ان چھ چیزوں میں سے کسی چیز کا ہم جنس سے مبادلہ کریں تو ایک جانب کا مقدار وزن یا ناپ معلوم ہو دوسری جانب کا مجہول صرف اٹکل سے ہو۔

عن ابي سعيد الخدري رضي الله تعالى عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الذهب بالذهب والفضة بالفضة والبر بالبر والشعير بالشعير والتمر بالتمر والملح بالملح مثلا بمثل يدا بيد فمن زاد او استزاد فقد اربى (مسلم ص۲۵)

وعن عبادة بن الصامت عن النبي صلى الله عليه وسلم قال فاذا اختلفت هذه الاصناف فبيعوا كيف شئتم اذا كان يدا بيد (مسلم ص۲۵)

وعن عمر رضي الله تعالى عنه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال الورق بالورق ربا الا هاء وهاء (مسلم ص۲۴ ومثله في البخاري ص۲۹)

وعن سهل بن ابي حثمة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن بيع الثمر بالتمر وقال ذلك الربا (مسلم ص)

ایسی ہی بعض اور صورتیں ہیں جن پر احادیث میں ربا کا اطلاق پایا گیا ہے۔ ان سب صورتوں میں گو آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ربا کا حکم صادر فرمایا ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مگر اس کے ساتھ یہ صاف اور صریح نہیں فرمایا کہ جو حکم ربا ان صورتوں میں صادر ہوا ہے وہ انہی صورتوں میں محدود و محصور ہے یا وہ اور صورتوں میں بھی جو ان سے ملتی جلتی ہوں جاری ہو سکتا ہے۔ اس وجہ سے ان صورتوں میں (جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں بیان نہیں ہوئیں پر وہ ان صورتوں سے جو حدیث میں بیان ہوئی ہیں ملتی جلتی ہیں) حکم ربا کا جاری ہونا محل اشتباہ اور جولانگاہ اختلاف و اجتہاد علماء امت محمدیہ ہو گیا ہے۔

فرقہ ظاہریہ اس سے انکار کرتے ہیں۔ اور وہ حکم ربا کو ان ہی صورتوں میں محدود سمجھتے ہیں جن کا بیان حدیث میں ہو چکا ہے۔ انکے نزدیک ایک سیر شکر کا دو سیر سے مبادلہ یا ایک پنسیری لوہے کا دو پنسیری سے مبادلہ (جسکا ذکر حدیث میں وارد نہیں ہے) جائز ہے۔ اور یہ بڑھوتری داخل ربا نہیں۔

جمہور فقہا و علماء اسلام ان غیر منصوص صورتوں میں بھی حکم ربا جاری کرتے ہیں۔ پر وہ باخود اس حکم کی علت اور اس وصف کے تعیین میں (جسکی نظر سے وہ غیر منصوص صورتیں منصوص صورتوں سے ملتی جلتی اور ان کے حکم میں ہیں) مختلف ہو گئے ہیں۔

امام شافعی فرماتے ہیں کہ بڑھوتری

وقد اختلف فی الالحاق هل یلحق بهذه الاجناس المذکورة غیرها فیکون حکمه حکمها فی تحریم التفاضل والنساء مع الاتفاق فی الجنس وتحریم النساء فقط مع الاختلاف فی الجنس والاتفاق فی العلة فقالت الظاهریة انه لا یلحق بها غیرها وذهب من عداهم الی انه یلحق بها ما یشارکها فی العلة واختلفوا فی العلة ما هی فقیل الاتفاق فی الجنس والطعم وقیل الجنس والتقدیر بالکیل والوزن (الدراری المضیة شرح الدرر البهیة للشوکانی) اختلفوا فی العلة علی مذاهب فالقول الاول وهو مذهب الشافعی رضی الله عنه ان العلة فی حرمة

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الربا الطعم فی الاشیاء الاربعة واشترط اتحاد الجنس وفی الذهب والفضة النقدیة والقول الثانی قول ابی حنیفة رضی الله عنه ان کل ما کان مقدراً ففیه الربا وعلته فی الدراهم والدنانیر الوزن وفی الاشیاء الاربعة الکیل واتحاد الجنس۔ والقول الثالث قول مالک رضی الله عنه ان العلة القوت او ما یصلح به القوت وهو الملح والقول الرابع وهو قول عبد الملک بن الماجشون ان کل ما ینتفع به ففیه الربا (تفسیر کبیر ص ۳۱ ج ۳)

کے حرام یا ربا ہونے کی علت چار چیزوں (گیہوں۔ جو۔ نمک۔ کھجور۔) میں ان چیزوں کا کھایا جانا ہے۔ اور دو چیزوں (چاندی۔ سونے) میں انکا نقدی (یا دام) ہونا۔ ان اوصاف کے ساتھ ہمجنس ہونے کی شرط پائی جائیگی تو ربا محرم متحقق ہوگا۔ بناءً علیہ ان کے نزدیک ایک انڈے کا دو انڈے سے یا ایک کھجور کا دو کھجور سے مبادلہ (جن میں کھایا جانا اور ہمجنس ہونا پایا جاتا ہے) یا ایک پیسہ کا دو پیسہ سے مبادلہ (جسمیں دام یا نقد ہونا اور ہم جنس ہونا پایا جاتا ہے) ربا اور حرام ہے*۔ اور ایک پیمانہ چونہ کا دو پیمانہ سے مبادلہ یا ایک سیر لوہے کا دو سیر لوہے سے مبادلہ (جسمیں نہ نقد ہونا پایا جاتا ہے نہ کھایا جانا) حرام اور داخل ربا نہیں ہے**۔

امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں ربا کی علت چار چیزوں (گیہوں وغیرہ) میں انکا ہمجنس ہونا اور پیمانہ سے ناپا جانا ہے۔ اور دو چیزوں (سونے چاندی) میں ان کا ہمجنس ہونا اور وزن کیا جانا ہے۔ انکے نزدیک جو چیز وزن کیجاتی ہے یا پیمانہ میں ناپی جاتی ہے۔ (گو کھانے میں نہ آوے) اسکا اپنے ہمجنس سے کمی و بیشی کے ساتھ مبادلہ (جیسے ایک سیر چونہ کا دو سیر سے مبادلہ) حرام و داخل ربا ہے اور جو چیز ناپ تول میں نہیں آتی (گو کھانے میں آوے) اسکا اپنے جنس سے کمی بیشی کے ساتھ مبادلہ (جیسے ایک کھجور کا دو کھجور سے مبادلہ) جائز ہے اور وہ

* دیکھو ہدایہ جلد ۳ صفحہ ۴۵
** دیکھو ہدایہ جلد ۳ صفحہ ۶۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مثبت ربا نہیں ہے ایسا ہی امام مالک وغیرہ سے اختلاف منقول ہے۔
جو عربی عبارت منقولہ حاشیہ میں موجود ہے۔

انہی غیر منصوص صورتوں کے حکم اور اس کی اختلاف کی نظر سے یہ سود قسم دوم (بیع کا سود) محل اختلاف مجتہدین وفقہاء مسلمین چلا آیا ہے۔ اور انہی صورتوں کے خیال سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا چنانچہ ابن ماجہ دارمی نے ان سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت نے انتقال فرمایا اور ربا کی تفسیر ہمسے نہ فرمائی۔ یعنے آنحضرت نے

> عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ان آخر ما نزلت آیۃ الربوا وان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبض ولم یفسرہا لنا فدعوا الربوا والریبۃ۔ رواہ ابن ماجہ والدارمی (مشکوۃ ص ۲۳۸)

یہ ارشاد نہ فرمایا کہ بیع کا سود (جسکو خدا تعالےٰ نے حرام فرمایا تھا) وہ علاوہ ان صورتوں کے جو آنحضرت نے بیان کردی ہیں کن کن صورتوں میں پایا جاتا ہے اور آیۃ ربا کا حکم ان صورتوں کو شامل ہے یا نہیں۔

یہ شک و اختلاف یا اس قسم کا کوئی اور شک و اختلاف قسم اول (قرض کے سود) کی حقیقت یا حکم میں کسی صحابی کسی تابعی کسی امام کسی مجتہد سے (متقدم ہو یا متاخر) کسی کتاب میں (چھوٹی ہو خواہ بڑی) پایا نہیں جاتا۔ اور کتاب وسنت واقوال علماء امت کے ملاحظہ سے صاف یقین ہوتا ہے کہ قرض کا سود بغیر کسی شک و تردد و اختلاف و نزاع کے حرام ہے۔ اور امت محمدیہ میں جو سود محل شک و اختلاف ہے وہ صرف بیع کا سود ہے۔ بلکہ اس سود میں سے بھی خاصکر ان غیر منصوص صورتوں کا سود جن کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوئی صریح حکم نہیں فرمایا۔

جو لوگ اس وقت سود قسم اول (قرض کے سود) کو حرام کے تسلیم کرنے کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ساتھ حلال بھی کہتے ہیں اور بے کھٹکے اس سود کا لین دین کر رہے ہیں۔ وہ لوگ کسی صحابی یا تابعی یا امام متقدم یا متاخر کا کوئی قول (قوی یا ضعیف با سند یا بے سند) اس سود کے محل اختلاف اور مشتبہ ہونے کے ثبوت میں پیش نہیں کرتے۔ بلکہ وہ اس سود کو مشتبہ بنانے اور اسکو اپنے مستحدث اختلاف کا متحمل و محل قرار دینے کے لئے قسم دوم (بیع سود) کا وہ اختلاف (جو اسکی غیر منصوص صورتوں کی نسبت پایا جاتا ہے) پیش کرتے ہیں۔ اور اس سے قسم اول سود کو محل اشتباہ و اختلاف قرار دیکر اس میں اپنے اختلاف کے دخل کی گنجایش نکالتے ہیں۔

از انجملہ ایک صاحب کا خیال و مقال ہم اشاعۃ السنتہ نمبر ۵ جلد ۱۲ کے صفحہ ۱۲۶ میں مضمون "علیگڈھ میں قیامت" کے ضمن میں نقل کر چکے ہیں۔ ناظرین اب اس مضمون کو ملاحظہ فرمائینگے۔ تو دوبالا لطف وحظ اٹھائینگے اور جن کے پاس وہ نمبر نہ پہنچا ہو وہ بارسال قیمت کم از کم عہر طلب کر کے ملاحظہ کریں ✽

ایک اور ریفارمر کا (جنکی عبارت تفسیر مسئور سود قرض زمانہ جہالت میں ہم بصفحہ (۱۹۸) نقل کر چکے ہیں) اس قسم کا استدلال ہم اس مقام میں نقل کر کے ناظرین کو یقین دلاتے ہیں کہ یہ لوگ قسم اول (قرض کے سود) کے محل اختلاف ہونے پر بجز اختلاف متعلق قسم دوم سود (سود بیع) کچھ دلیل نہیں رکھتے۔

آپنی اپنی تفسیر میں آیہ "احل اللہ البیع وحرم الربوا" کے ذیل میں حضرت عمر کا قول مذکور نقل کر کے اس کی تفسیر ان الفاظ سے فرمائی ہے "یعنے (حضرت عمر فرماتے ہیں) ہمکو اس بات کے دریافت کرنیکا موقع نہیں ملا۔ کہ ربا جسکو خدا نے حرام فرمایا ہے وہ کیا ہے اور کون سا ربا ہے جو حرام ہوا ہے۔ اور جس پر ایسی سخت وعید نازل ہوئی ہے" (اسکے بعد علی الاتصال فرمایا ہے) "پس جب کہ اتنے بڑے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خلیفہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ربا کی حقیقت پر تشفی نہ تھی تو ضرور تھا کہ صحابہ و تابعین اور آئمہ مجتہدین اور علماء امت میں اختلاف رائے ہو اور ہر ایک اپنے اجتہاد کے موافق اس کی نسبت مسائل قرار دے چنانچہ ایسا ہی ہوا ہے۔ اور ہوتا ہے۔ اور ہوگا۔ اور اس چودھویں صدی میں جس کا یہ ۱۳۱۱ھ برس ہے میں بھی بقدر اپنے اپنے فہم کے علماء امت سے اس مسئلہ میں مختلف رائے رکھتا ہوں۔

علماء امت و فقہاء اسلام نے ربا کی دو قسمیں بیان کی ہیں ایک ربا الفضل اور دوسری ربا النسیہ۔ ربا الفضل سے ایسی بڑھوتری مراد ہے۔ کہ ہم جنس چیز کے دست بدست مبادلہ کرنے میں لے دیجاوے۔ اس قسم کے ربا کی حرمت زیادہ تر حدیثوں پر مبنی ہے اور اسباب میں کہ کون سے ہم جنس چیزوں کے مبادلہ میں بڑھوتری لینا ربا ہے آئمہ مجتہدین میں اختلاف ہے۔

(اسکے بعد آپ نے امام ابوحنیفہ و امام شافعی و امام مالک کا وہ اختلاف نقل کیا ہے۔ جو بصفحہ (۱۷۱) ہم بیان کر چکے ہیں۔ اور اس کے بعد کہا ہے)

ہم جنس ہونے میں اچھی اور بری یا کھری اور کھوٹی ہونے میں کچھ فرق نہیں ہے کھرا سونا کھوٹے سونے سے اور کھری چاندی کھوٹی چاندی سے اور اچھی کھجوریں بری کھجوروں سے یا سفید گیہوں لال گیہوں سے اگر بدلی جاویں تو ضرور ہے کہ برابر کے برابر بدلے جاویں۔ اگر انکے مبادلہ میں بڑھوتری لیجاوے تو ربا میں داخل ہے۔

جہانتک جو بات معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ اس قسم کے مبادلہ کو جو اس ربا میں داخل کیا ہے جسکا ذکر اس آیت میں ہے علانیہ غلطی ہے۔ اس قسم کے مبادلوں کی بڑھوتری پر بھی ربا کا اطلاق کیا گیا ہے۔ مگر اس سے یہ ربا جسکا اس آیت میں کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے مراد نہیں ہے ۔ ربا کا اطلاق اس فائدہ پر بھی ہوتا ہے ۔ جو بیع فاسد کے ذریعہ سے کوئی شخص حاصل کرے ۔ جیسے کہ حدیث میں آیا ہے "من اجبی فقد اربی" اجبی کے معنے کسی درخت کے پھل کو پھلوں کے آنے سے پیشتر بیچ ڈالنے کے ہیں ۔ جیسے کہ ہندوستان میں آم کے درختوں کا پھل صرف مور آنے پر قبل اسکے کہ آم پیدا ہوں بیچ ڈالا جاتا ہے ۔ ایسی خرید و فروخت میں یا تو بائع ایسا فائدہ اٹھاتا ہے ۔ جسکے مقابلہ میں در حقیقت اسنے کوئی چیز نہیں دی یا مشتری ایسا فائدہ اٹھاتا ہے جسکے مقابلہ میں در حقیقت اسنے کوئی مال نہیں دیا ۔ اور اسلئے اس معاملہ پر ربا کا اطلاق کیا گیا ہے ۔ مگر در حقیقت یہ معاملہ بیع فاسد کا ہے ۔ اور اس ربا کی تفسیر میں داخل نہیں ۔ جسکا ذکر اس آیت میں ہے ۔

بخاری و مسلم نے اسامہ سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا ۔ کہ "الربوٰ فی النسیئۃ" یعنے ربا ادھار میں ہے ۔ اور ایک روایت ہے کہ "لا ربوٰ فیما کان یداً بید ۔ یعنے جو چیز کہ دست بدست لیجاوے ۔ اسمیں ربا نہیں یعنے جو اس آیت کے رو سے حرام ہوا ہے ۔ اس حدیث میں اس بات کی بڑی دلیل ہے ۔ کہ دست بدست معاملہ میں جو ربا ہے وہ ربا بیع فاسد کا ہے ۔ نہ وہ ربا جو اس آیت میں حرام ہوا ہے" ۔

اسکے بعد آپنے امام مالک سے نقل کیا ہے ۔ کہ انہوں نے موطا میں اس قسم کی ربا کو بیع فاسد سے تعبیر کیا ہے ۔ پھر آنحضرت صلعم سے نقل کیا ہے کہ اچھی کھجوروں کو بری کھجوروں سے مبادلہ کرو تو اسمیں کمی و بیشی نہ کرو ۔ اور بری کھجوروں کو فروخت کرکے اسکی قیمت سے اچھی کھجوریں خرید لو ۔ پھر یہی حکم کھری کھوٹی چاندی سونے کا بیان کیا ہے ۔ پھر حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے ۔ کہ وہ اس قسم کے معاملہ کو ۔ اس ربا میں جسکا ذکر اس آیت میں ہے اور جو اس آیت کے رو سے حرام ہے ۔ داخل نہیں سمجھتے تھے ۔ اور ان سب اقوال سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ ان مبادلات میں جو بڑھوتری کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ربا کہا گیا ہے ۔ اس سے بیع فاسد کا ربا مراد ہے ۔ نہ وہ ربا جسکا اس آیت میں ذکر ہے ۔ اسکے بعد ربا النسیۂ کی تفسیر و بیان میں وہ بات کہی ہے ۔ جو بصفحہ (۱۴۸) ہم انسے نقل کر چکے ہیں اسکے بعد کہا ہے) ۔

ربا النسیۂ کے اب یہ معنے ٹھیرے کہ مدیون سے علاوہ زر اصل کے کچھ روپیہ یا مال بطور فائدہ کے لینا ۔ مگر یہ بحث اور باقی ہے کہ عموماً ایسا کرنا حرام اور ممنوع ہے ۔ اور ایسا کرنے والا ہر حالت میں انہی وعیدوں کا مستحق ہے ۔ جو قرآن مجید میں مذکور ہیں ۔ یا کسی اور قسم کی بھی قید یا تخصیص قرآن مجید سے پائی جاتی ہے ۔

علماء اسلام کی تو رائے ہے ۔ کہ اس میں کسی قسم کی قید یا تخصیص نہیں ہے ۔ مگر میں قرآن مجید کے رو سے ایسا نہیں سمجھتا بلکہ میری یہ سمجھ ہے ۔ کہ قرآن مجید کے رو سے اس قسم کے ربا کے حرام ہونے میں ایک تخصیص پائی جاتی ہے ۔ جو آئندہ بیان ہوگی ۔ (پھر آپ اسکے متصل ہے فرماتے ہیں) ربا درحقیقت ایک بری چیز ہے اور انسانی اخلاق اور تمدن کے لئے بعض حالتوں میں نہایت مضر ہے ۔ ربا جبکہ ایک پیشہ کر لیا جاتا ہے ۔ جیسے کہ سود خوار اور مہاجن بطور پیشہ کے اسکو برتتے ہیں ۔ تو تمدن کے لئے نہایت مضر ہوتا ہے ۔ ذی مقدور شخص اس روپیہ کو ملک کی ترقی اور تجارت کی افزونی میں صرف نہیں کرتا ۔ بلکہ خود اپنے ہی ملک کے لوگوں سے ان کا مال لے لینے میں صرف کرتا ہے ۔ وہ اپنی محنت اور مشقت سے معیشت پیدا کرنے میں بالکل سست ہو جاتا ہے ۔ اور لوگوں نے جو محنت اور مشقت سے کمایا ہے ۔ اسکے لینے پر راغب ہوتا ہے ۔ اسکے مال و دولت سے کوئی صنعت یا کوئی ایسا کارخانہ جس سے لوگوں کو معیشت میں مدد پہنچے ۔ اور ملک کی دولت کو ترقی ہو نہیں قائم ہوتا بجز اس کے کہ غریبوں سے اُن کی محنت اور مشقت کے حاصلات کے چھین لینے کا اسکو قابو ملتا ہے ۔ اور کچھ شبہ نہیں کہ ایسا ربا اخلاق و معاشرت و تمدن کے برخلاف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے ۔

ایک اور صورت ربا کی ہے ۔ جو اس سے بھی زیادہ خلاق انسانی اور رُوحانی نیکی کے برخلاف ہے ۔ اور ربا شہ حرب من اللہ و رسولہ کے برابر ہے اور وہ یہ ہے کہ جو لوگ غریب و محتاج و مفلس ہیں اور نہ کسی عیش و آرام کے لئے بلکہ صرف اپنی زندگی کے لئے قوت لایموت بہم پہنچانے کو روپیہ یا غلہ قرض لیتے ہیں اور ذی مقدور سودی قرضہ انکو دیتے ہیں اور سود لیتے ہیں ۔ ایسا کرنا انسانی ہمدردی اور غریبوں کے ساتھ سلوک کرنے کے بالکل خلاف ہے ۔ حالانکہ قرآن مجید میں انکے ساتھ سلوک کرنے کا جا بجا حکم ہے ۔ ایسے لوگوں سے سود لینا شقاوت قلبی اور بدترین اخلاق ہے ۔ کے سوا قرآن مجید کی مستحکم ہدایتوں کے برخلاف ہے ۔ اور کوئی شخص شبہ نہیں کر سکتا کہ ایسا ربا نہایت بد اور ناپاک ہے ۔ اور میں یقین کرتا ہوں کہ ایسے ہی ربا کا اس آیت میں ذکر ہے جسکو خدا نے منع فرمایا ہے ۔ اور حرام کیا ہے ۔ اور کوئی انسانی دل جو ذرا بھی روحانی اخلاق کی طرف مائل ہوگا ۔ ایسا نہ ہوگا جو اس قسم کے ربا کو حرام و ناپاک نہ سمجھتا ہو ۔

میری اس سمجھ پر جو کچھ شبہ ہو سکتا ہے وہ یہ ہے کہ "حرم اللہ الربا" جو ایک عام حکم تھا ۔ اُسکو میں نے خاص کر دیا ہے ۔ اور اس ربا پر منحصر کر دیا ہے جو ایسے لوگوں سے لیا جاوے ۔ جنکے ساتھ سلوک کرنے اور ان کے ساتھ ہمدردی کرنے کی قرآن مجید میں ہدایت ہوئی ہے ۔ مگر میرے دل کو یقین ہے کہ قرآن مجید کے تمام سیاق و سباق کلام سے یہی ہدایت پائی جاتی ہے ۔

ربا کی آیت سے پہلی آیتوں میں خدا تعالے نے خدا کی راہ میں مال خرچ کرنے والوں کی خوبیوں کو بیان کیا ہے ۔ اور فرمایا ہے ۔ کہ اسکی مثل ایک ایسے دانہ کی ہے ۔ جو اُگے اور اس میں سات خوشے لگیں ۔ اور ہر خوشہ میں سو سو دانے ہوں ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پھر انکو نصیحت کی کہ غریب محتاجوں کے ساتھ جو تم سلوک کرتے ہو۔ اُسکو احسان جتانے سے اور ان کا دل دکھانے سے برباد مت کرو۔ اور اسکی مثل ایک ایسے شخص کی بتائی ہے۔ جسکا ہرا بھرا باغ آگ سے جل گیا ہو۔ پھر اُن کو سمجھایا کہ غریبوں اور مسکینوں کو جو خدا کے لئے دیتے ہو۔ وہ اپنے ہی لئے دیتے ہو اور وہ تمہیں پہنچیگا۔

اسکے بعد خدا تعالی نے اُن لوگوں کا ذکر کیا ہے جو غریب اور مسکین لوگوں پر مال خرچ کرتے ہیں۔ اور اُن کے ثواب کا بیان کیا اور اُسی کے ساتھ اُن لوگوں کا ذکر کیا۔ جو بعوض سلوک و ہمدردی کرنے کے سود لیتے ہیں۔ پس قرینۂ مقام وطرز کلام سے صاف پایا جاتا ہے۔ کہ اُس آیت میں اُنہیں لوگوں کا ذکر ہے جو غریب مسکین لوگوں سے سود لیتے ہیں اور اُسی سود کو جو ایسے لوگوں سے لیا جاتا تھا۔ جو قابل رحم اور ہمدردی اور سلوک کرنے کے تھے۔ خدا نے حرام کیا اور فرمایا۔ کہ "حرم الربا" اور پھر فرمایا کہ "یمحق اللہ الربا ویربی الصدقات" اور پھر فرمایا کہ اے ایمان والو جو کچھ سود کا باقی لینا رہ گیا ہے اُسکو چھوڑ دو اور اگر نہیں چھوڑتے تو خدا اور رسول سے لڑنے کو تیار ہو۔ کیونکہ خدا و رسول نے تو اُن کے ساتھ سلوک کرنے کی ہدایت کی ہے۔ اور تم اُسکے برعکس اُن سے سود لیتے ہو۔ خدا کے حکم کے برخلاف کرنا خدا سے لڑائی کرنی ہے۔ پس تم کو چاہئے کہ ان سے اپنا اصل مال لے لو۔ اور اگر کوئی ایسا محتاج ہو کہ اصل دینے کا بھی مقدور نہ رکھتا ہو۔ تو اُسکو مہلت دو تاکہ جب اسکو فراغت ہو ادا کرے اور اگر اصل بھی چھوڑ دو تو تمہارے لئے بہتر ہے۔ پس جسقدر آئتیں کہ قبل آیت ربا کے ہیں۔ اور جس قدر کہ اُسکے بعد ہیں۔ اُن سب کو ملانے اور سیاق و سباق پر نظر کرنے سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ وہی ربا حرام کیا گیا ہے۔ جو ایسے غریب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

و محتاج آدمیوں سے لیا جاتا تھا۔ جو کھانے کو محتاج تھے۔ اور غلہ یا کھجوریں یا کچھ اور قرض لیکر قوت لایموت بہم پہنچاتے تھے۔ اور جنکی نسبت قرآن مجید میں جا بجا سلوک و ہمدردی کرنے کی ہدایت تھی۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ کوئی شخص گو کہ وہ کوئی مذہب رکھتا ہو۔ ایسے ربا کو حرام و ناپاک نہ سمجھتا ہو۔

اُنکے سوا وہ لوگ جو ذی مقدور اور صاحب دولت وجاہ و حشمت ہیں اور اپنے عیش و آرام کے لئے روپیہ قرض لیتے ہیں جائداد یں مول لیتے ہیں۔ مکان بناتے ہیں اور قرض روپیہ لیکر چین اڑاتے ہیں۔ گو اُن کو قرض دینا بعض حالتوں میں خلاف اخلاق ہو۔ مگر اُن سے سود لینے کی حرمت کوئی وجہ قرآن مجید کے رو سے مجھکو نہیں معلوم ہوتی۔

اسی طرح بہت سے معاملات قرضہ کے ہیں جو تجارت کے کاروبار میں پیش آتے ہیں اور ایسے بنکوں کے قائم ہونے سے جو سود پر تجارت کے مقاصد کیلئے روپیہ قرض دیتے ہیں اور ایک جگہ سے دوسری جگہ روپیہ پہنچا دیتے ہیں۔ اور ہر قسم کی آڑھتوں کا کام کرتے ہیں۔ اور جنسے تجارت کو اور ترقی ملک کو اور افزونی آبادی کو نہایت امداد پہنچتی ہے۔ اُن معاملات میں جو سود کہ لیا دیا جاتا ہے مجھکو قرآن مجید کے رو سے اسکے ایسے ربا ہونے کی جسکو اس آیت میں حرام کہا ہے کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی۔ پس حکم ربا جو قرآن مجید میں ہے وہ نہایت اخلاق و نیکی پر مبنی ہے۔ اور کسی طرح تجارت و ترقی ملک و دولت کا مانع نہیں ہے۔"

ان عبارات سے کس و ناکس کو بشرطیکہ کچھ بھی فہم و انصاف رکھتا ہو۔ صاف یقین ہو سکتا ہے کہ جس اختلاف و اشتباہ کو ان عبارات میں نقل کیا گیا ہے اسکو قسم اول سود (قرض کے سود) سے کوئی تعلق نہیں ہے وہ قسم دوم سود

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(بیع کے سود) سے متعلق ہے اور اسی قسم کا بیان اسمیں مقصود ہے۔ چنانچہ بیانِ راقم عبارات کے ارکان ذیل اسپر شاہد ہیں۔

(۱) حضرت عمرؓ فاروق کا قول جس میں آپ سود کے متعلق اشتباہ ظاہر فرماتے ہیں اسی بیع کے سود کے متعلق ہے کیونکہ قرض کے سود کی صورت تو زمانہ صحابہ میں اور نزول آیت ربا کے وقت مشہور و معروف تھے (جن کو راقم عبارات مذکورہ بھی مان چکے ہیں) لہٰذا حضرت عمرؓ کا اس سود قرض میں اشتباہ کوئی معنے نہیں رکھتا اور اس قول فاروق ؓ کا محل و متعلق بجز بیع کے سود کی اُن صورتوں میں جنکی نسبت آنحضرت صلعم نے کوئی صریح ارشاد نہیں فرمایا اور کچھ نہیں ہوسکتا۔

(۲) ربا الفضل (بڑھوتری) اور اسکی علت کے متعلق جو اختلاف امام ابو حنیفہؒ و امام شافعیؒ وغیرہ سے ان عبارات میں منقول ہے ان کا متعلق بیع ہونا ظاہر ہے اور خود ان عبارات میں اس وضاحت کے ساتھ اسکا بیان ہوا ہے۔ کہ اس سے کوئی احمق سے احمق بھی یہ سمجھ نہیں سکتا۔ کہ اس کو قسم قرض کے سود سے کوئی تعلق ہے۔

(۳) کھری کھوٹی جنس کے مبادلہ کی کمی و بیشی کو اس سود میں جسکا ذکر آیت ربا میں ہے۔ داخل کرنے کو ان عبارات میں علانیہ غلطی قرار دیکر اسکو ربا سے بیع فاسد نامزد کیا گیا ہے۔

(۴ و ۵) حضرت اسامہؓ کی حدیث اور حضرت ابن عباسؓ کے قول کو بھی بڑے زور شور سے ان عبارات میں بیع کے متعلق کیا گیا ہے۔ اور اس کی تفصیل و بیان میں بیا الفاظ "مبادلہ" اور "دست بدست" کو استعمال کیا گیا ہے۔

(۶) ربا الفضل (سود بیع) کے مقابلہ میں ربا النسیہ (سود قرض) کا ان عبارات میں ذکر ہوا ہے اور اسکی تفسیر کو جو بصفحہ (۱۶۸) میں بیان ہوئی ہے مشہور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ومعروف قرار دیا گیا ہے - پھر اس صورت سود قرض کے عام ہونیکی نسبت صاف کہا گیا ہے کہ علماء اسلام (جنسے جملہ علماء متقدمین ومتاخرین مراد ہیں - کوئی عالم متقدم یا متاخر صحابی - تابعی - امام مجتہد اس سے مستثنےٰ ہوتا - تو راقم عبارات اپنی عادت قدیم کے مطابق ضرور اس کو مستثنےٰ فرماتے اور اپنے ساتھ ملاتے) اسکو عام سمجھتے ہیں اور اس قسم کی سب صورتوں ربا قرض کو حرام جانتے ہیں - اور راقم عبارات اس حرمت کو مسکینوں سے خاص کرتے ہیں اور خاص انہی لوگوں سے قرض کا سود لینے کو حرام جانتے ہیں -

یہ ارکان بیان راقم عبارت اور اس کی متمسکات صاف اور صریح شہادت دے رہی ہیں - کہ جو اشتباہ یا اختلاف ان عبارات میں بیان ہوا ہے اسکو قسم دوم سود (بیع کے سود) ہی سے تعلق ہے - قسم اول سود سے اسکا کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ قسم اول سود کی صورت کو راقم عبارات نے مشہور و معروف تسلیم کر کے اسکی حرمت پر جملہ علماء اسلام کا اتفاق بیان ظاہر کیا ہے - اس میں اختلاف بتایا ہے تو صرف اپنا اپنے سوا کسی اور مسلمان اہل علم کا - وتہندا اس قرض کے سود کو مشتبہ و محل اختلاف جتا کر اپنے اختلاف کا اس میں موقع نکالا ہے تو اس میں سخت دھوکہ کھایا ہے - اور اپنے بیان کا خود خلاف کیا ہے - جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنے کلام کا مطلب خود نہیں سمجھا -

شاید یہاں کوئی یہ اعتراض کرے کہ بیان سابق سے یہ تو بخوبی ثابت ہوگیا ہے کہ راقم عبارات مذکور نے سود کے قرض کی صورت کو مشہور و معروف مان لینے اور جملہ علماء اسلام کے نزدیک اسکی حرمت کا عموم تسلیم کر لینے کے ساتھ صرف قسم دوم سود کے اختلافات و اشتباہ کی نظر سے اس سود قسم اول کو محل اختلاف علماء اسلام قرار دینے میں غلطی کی ہے بنا علیہ اس میں اپنے اختلاف جدید کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گنجایش نکالنے میں دھوکہ کھایا اور اپنے بیان کا خود خلاف کیا۔ اور واقع میں قسم اول سود کسی اختلاف سابق کا محل نہیں ہے۔ اور نہ اسکی حقیقت اور معنے میں کسی قسم کا اشتباہ ہے۔ ولیکن اس بیان سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ راقم عبارات نے جو اس میں اپنا اختلاف ظاہر کیا ہے۔ اور حکم حرمت سودِ قرض کو بقرینہ سیاق وسباق آیات مسکینوں سے مخصوص کیا ہے اور غنیوں کو اس حکم سے مستثنےٰ قرار دیا ہے۔ اس میں بھی اُس نے دھوکہ کھایا ہے اور خلاف حق کیا ہے۔ یہ اختلاف حق اور باموقع ہو۔ غنیوں کا اس حکم سے مستثنےٰ ہونا صحیح ہو۔ تو راقم عبارت کو مخالفت علماء اسلام کی کیا پرواہ ہے؟ اور اس سے اس کا کیا نقصان ہے؟!

اس اعتراض کو رفع کرنے کی غرض سے ہم یہ ثابت کرتے ہیں کہ راقم عبارت نے اس اختلاف میں بھی دھوکہ کھایا۔ اور حق کا خلاف کیا ہے۔ اور اسکا حکم حرمت سود قرض کو مسکینوں سے مخصوص کرنا اور غنیوں کو اس سے مستثنےٰ قرار دینا صحیح نہیں ہے۔

بے شک آیہ "وحرم الربو" کی پہلی اور پچھلی آیات میں مسکینوں پر صدقہ کرنے اور اُن کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنے کا ذکر ہے (جیسا کہ عبارت مذکورہ میں بیان ہوا ہے) مگر یہ ذکر اُس حکم عام حرمت ربا کو مخصوص نہیں کر سکتا۔ یہ تب ہوتا جبکہ اُس ذکر کو اس حکم عام کے عموم سے مخالفت[1] ہوتا۔ اور ظاہر ہے کہ اس خاص حکم میں کہ مسکینوں پر صدقہ کرو۔ اور اس عام حکم میں کہ کسی سے (مسکین ہو خواہ غنی)

---

[1] صفحہ ۱۴۱ وغیرہ کتاب توضیح وتلویح اور عامہ کتب اصول میں ثابت و مدلل ہو چکا ہے کہ عام کے معنے عموم کے مخالف ومعارض کوئی لفظ یا قرینہ پایا جاوے۔ تو اس سے عام کا عموم ٹوٹ سکتا ہے۔ نہ ان الفاظ یا قرائن سے جنکو عموم سے کچھ مخالفت وتعارض نہ ہو۔ اللفظ متی وضع لمعنی کان ذلک لازماله الا ان تدل القرینة علی خلافه وعندنا یثبت حکم التعارض فیما بیننا ولا ؟ (توضیح ص ۱۴۱ و ۱۴۲)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سود نہ لو کوئی مخالفت نہیں ہے - پھر اُس حکم صدقہ مساکین سے یہ حکم عام کہ کسی سے سود نہ لو - کیونکر مخصوص بفقراء ہو سکتا ہے - اس حکم صدقہ مساکین کے ساتھ اگر خدا تعالے صاف اور صریح یوں بھی فرما دیتا کہ مسکینوں سے سود نہ لو - تو یہ بھی اس تخصیص کا موجب ہوتا - کیونکہ اس خاص حکم میں (اگر بالفرض وہ ہوتا) کہ مسکینوں سے سود نہ لو - اور اس عام حکم میں کہ کسی سے سود نہ لو میں مخالفت نہیں ہے[۱] - بلکہ یہ حکم عام اس حکم خاص کا (اگر وہ ہوتا) موئد ہوتا نہ مکذب - اس حکم خاص میں (اگر وہ ہوتا) خاص مسکینوں کا ذکر یہ فائدہ دیتا - کہ مسکین اس حکم سے فائدہ اُٹھانے کے زیادہ مستحق ہیں نہ یہ فائدہ کہ غنی اس حکم سے فائدہ اُٹھانے کے مستحق نہیں ہیں - ہاں اگر اس آیہ ربو کے سیاق و سباق میں یہ ذکر ہوتا کہ مالداروں سے سود لینا حلال ہے - یا اس میں کوئی گناہ نہیں ہے - تو یہ ذکر بلاشبہ اس عام حکم کی تخصیص کا موجب ہو جاتا - کیونکہ یہ ذکر اس عموم کا صریح مخالف ہے -

اور اگر راقم عبارات مذکورہ کے نزدیک قرینہ تخصیص کا حکم عام سے مخالف ہونا ضرور نہیں ہے - اور ہر ایک سیاق و سباق جس میں کوئی خصوصیت پائی جائے حکم عام کی تخصیص کا موجب ہو سکتا ہے - تو اس سے کوئی حکم اسلام کا اپنے عموم پر باقی نہ رہیگا - کیونکہ غالباً ہر ایک حکم کے آگے یا پیچھے ایسے ذکر پائے جاتے ہیں جن میں کوئی نہ کوئی خصوصیت موجود ہے - حالانکہ ان خصوصیات سے کوئی عموم

---

[۱] کیونکہ اس صورت میں مسکینوں کی قید اور اس قید سے اطلاق کا محل اسباب ہوتے جن میں کوئی منافاۃ نہیں ہے - اذ لا تنافی فی الاسباب ای یمکن ان یکون المطلق سببًا والمقید سببًا (توضیح ص ۶۵) اور اگر اس حکم کی اطلاق موجود اور تقیید مفروض کی تعبیر نفی سے کریں جیسا کہ ظاہر آیہ حرمت ربا کا مقتضا ہے تو یا الاتفاق مطلق اپنے اطلاق پر باقی رہیگا (دیکھو توضیح ص ۶۵)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

احکام اسلام کو مخصوص و مقید نہیں کرتا۔

اس کی تمثیل میں ہم چند عام احکام قرآن نقل کرتے ہیں۔ جنکی سیاق وسباق میں کچھ کچھ خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ ومعہذا وہ جملہ اہل اسلام کے نزدیک (جنمیں غالباً آپ بھی شامل اور ان سے متفق الرائے ہونگے) ان خصوصیات سیاقیہ وسباقیہ سے مخصوص و مقید نہیں ہیں ازانجملہ ایک حکم فرضیت نماز ہے جو تمام اہل اسلام کے نزدیک ہر مسلم عاقل بالغ کے حق میں عام ہے۔ حالانکہ اس حکم کی متضمن آیات کے سیاق وسباق میں کچھ کچھ خصوصیات پائی جاتی ہیں

اقیموا الصلوۃ ولا تکونوا من المشرکین (الروم ع۴)
واذ اخذنا میثاق بنی اسرائیل لا تعبدون
الا اللہ وبالوالدین احسانا وذی القربی
والیتمی والمساکین وقولوا للناس حسنا۔۔۔
واقیموا الصلوۃ واتوا الزکوۃ۔ بقرہ ع ۱۰
اقیموا الصلوۃ واتوا الزکوۃ وما تقدموا
لانفسکم خیر تجدوہ عند اللہ
ان اللہ بما تعملون بصیر۔ وقالوا
لن یدخل الجنۃ الا من کان ھودا
او نصری تلک امانیھم۔ بقرہ ع ۱۲
یبنی اسرائیل اذکروا نعمتی التی انعمت علیکم۔۔۔
واقیموا الصلوۃ واتوا الزکوۃ وارکعوا
مع الرٰکعین۔ بقرہ ع ۵۔
وقالوا کونوا ھودا او نصری تھتدوا

ایک آیت میں حکم نماز کے بعد یہ ذکر ہے کہ تم مشرک نہ ہو۔ ایک آیت میں حکم نماز کا مخاطب خاص کر یہودیوں کو کیا گیا ہے۔ اب اگر کوئی آپ کی چال چلے اور بے ضبطی اختیار کر کے قرینہ تخصیص کا عموم حکم عام کے مخالف ہونا ضروری اور شرط تخصیص تسلیم نکرے تو وہ یہ کہہ سکتا ہے۔ کہ یہ حکم فرضیت نماز مشرکوں اور یہودیوں سے مخصوص ہے۔ اور عام نصوص میں انہی لوگوں کو کہا گیا ہے کہ وہ بت پرستی اور یہودیت چھوڑ کر نماز پڑھا کریں اور خدا پرستی اختیار کریں۔ اور جو لوگ پہلے ہی خدا پرست اور مسلمان ہوں انکو نماز پڑھنے کی حاجت نہیں ہے۔

© rasailojaraid.com

قل بل ملة ابراهيم حنيفا وما كان
من المشركين - بقرہ ع ۱۶
يا ايها الذين امنوا ان كثيرا من الاحبار
والرهبان ليا كلون اموال الناس بالباطل
ويصدون عن سبيل الله والذين
يكنزون الذهب والفضة ولا ينفقونها
في سبيل الله فبشرهم بعذاب اليم
يوم يحمى عليها في نار جهنم فتكوى بها
جباههم وجنوبهم وظهورهم
هذا ما كنزتم لانفسكم فذوقوا
ما كنتم تكنزون (توبہ ع ۵)

(حالانکہ کوئی مسلمان اس بات کا قائل نہیں ہو سکتا)۔

وازانجملہ حکم فرضیت زکوٰۃ ہے کہ وہ بھی باتفاق تمام اہل اسلام عام حکم ہے۔ مگر اس حکم کے متضمن آیات کی سیاق و سباق میں اسی قسم کی خصوصیت ذکر ہو کر پائی جاتی ہے کئی آیات میں ذکر ہے کہ ہم نے یہودیوں کو زکوٰۃ کا حکم دیا تھا - ایک آیت میں حکم زکوٰۃ کے بعد یہودیوں سے نقل کیا ہے کہ وہ مسلمان کو کہتے ہیں تم یہودی ہو جاؤ ایک آیت میں ذکر ہے کہ یہودی علماء اور نصرانی درویش لوگوں کا مال ناحق کھاتے ہیں اور لوگوں کو خدا کی راہ سے روکتے ہیں۔ اور جو لوگ سونا چاندی جمع کرتے ہیں اور خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انکو دردناک عذاب ہوگا - ان خصوصیات کا لحاظ کرنے میں اگر کوئی آپ کی چال چلے - اور قرینہ تخصیص کا مخالف عموم ہونا ضروری نہ مانے تو وہ یہ کہہ سکتا ہے - کہ یہ حکم فرضیت زکوٰۃ یہودیوں سے (جو لوگوں کا مال ناحق کھاتے ہیں اور مسلمانوں کو یہودی بنانا چاہتے ہیں) مخصوص ہے۔ ان پر خدا نے کفر اور مال مردم خوری کی سزا میں جزیہ (ٹیکس) لگایا ہے مسلمان خداترس اس سزا سے بری ہیں (اس بات کے کہنے پر بھی کوئی مسلمان جرأت نہیں کر سکتا)۔

وازانجملہ حکم فرضیت حج ہے کہ وہ بھی باتفاق اہل اسلام عام ہے

© rasailojaraid.com

مگر اس حکم کے متضمن آیات کی سیاق و سباق میں بھی ایسی ہی خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ ایک آیت میں حکم فرضیت حج بیان کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ جو شخص کفر کریگا

> قل صدق اللہ فاتبعوا ملة ابرھیم
> وما کان من المشرکین ان اول بیت
> وضع للناس للذی ببکة مبارکا و
> ھدی للعالمین فیہ آیات بینات
> مقام ابراھیم ومن دخل کان امنا۔
> وللہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ
> سبیلا۔ ومن کفر فان اللہ غنی عن
> العالمین۔ یا اھل الکتاب لم تکفرون
> بایت اللہ۔ واللہ شہید علی ما تعملون
> (آل عمران۔ ع ۱۰)

اس سے خدا بے پرواہ ہے۔ اور فرمایا کہ اہل کتاب تم خدا کی آیات سے کیوں کفر کرتے ہو۔ اور اس سے پہلے فرمایا ہے کہ حضرت ابراہیم کے دین کی پیروی کرو وہ مشرک نہ تھے۔ **ان خصوصیات** کے لحاظ میں بھی اگر کوئی **آپ کی چال چلے** اور بے ضبطی اختیار کرے **تو یہ کہہ سکتا ہے** کہ یہ حکم حج بھی مشرکین اور یہودی کافروں سے مخصوص ہے ان ہی کو خدا نے حکم دیا ہے۔ کہ وہ کفر و شرک چھوڑکر کعبہ کا حج کریں جسکو خاص خدا کی عبادت کے لیے مقرر کیا گیا ہے۔ مسلمان خدا پرست جہاں رہیں خدا کی عبادت کریں۔ انکو اس تکلیف اٹھانے کی ضرورت نہیں ہے **(اسکا بھی کوئی مسلمان قایل نہیں ہوسکتا)**۔

ازانجملہ حکم فرضیت روزہ ہے۔ وہ بھی باتفاق اہل اسلام عام حکم ہے مگر اس حکم کے متضمن آیات میں حکم روزہ رمضان کے بعد یہ فرمایا گیا ہے کہ خدا تعالی تمہارے لیے

> یا ایھا الذین امنوا کتب علیکم الصیام کما
> کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون ٭
> شھر رمضان الذی انزل فیہ القرآن
> ھدی للناس وبینات من الھدی والفرقان

آسانی چاہتا ہے مشکل نہیں چاہتا۔ اور اسکے بعد گنتی پوری کرنے کا بھی ذکر ہوا ہے اور اس سے پہلے پہلی امتوں کا ذکر ہوا ہے کہ انپر بھی ایسے ہی روزہ فرض ہوئے تھے جیسے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فمن شهد منـ الشهر
فليصمه ومن كان مـ يضا او على
سفر فعدة من ايام اخـ يريد الله
بكم اليسر ولا يريد بـ كم العسر
ولتكملوا العدة ولتكبـ الله على
ما هديكم ولعلكم تشكرون۔
(بقرہ ۲ ع ۲۲)

تم پر۔ اس میں بھی اگر کوئی آپ کی چال چلے۔ اور بے قانونی اختیار کرے تو وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ خاص کر رمضان میں روزہ رکھنے کا حکم پہلی امتوں سے مخصوص ہے۔ اس امت مرحومہ کے لوگ اس حکم سے مستثنیٰ ہیں ان کو یہ اجازت دی گئی ہے۔ کہ اگر وہ رمضان میں روزہ رکھنے کو مشکل سمجھیں تو بجائے رمضان کسی اور مہینہ یا کئی مہینوں میں جس میں روزہ رکھنے آسان ہوں روزہ رکھ لیا کریں اور گنتی پوری کر دیا کریں (اور اس کا بھی کوئی مسلمان قائل نہیں ہو سکتا)۔

ازانجملہ حکم حرمت شراب ہے۔ یہ حکم بھی ہر ایک مکلف کے حق میں باتفاق اہل اسلام عام ہے۔ باوجودیکہ اس حکم کے متضمن آیات کی سیاق وسباق میں کچھ کچھ خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ ایک آیت میں اس حکم کے بعد یہ ذکر ہے

يا يها الذين امنوا انما الخمر والميسر
والانصاب والازلام رجس من عمل
الشيطن فاجتنبوه لعلكم تفلحون۔
انما يريد الشيطن ان يوقع بينكم
العداوة والبغضاء في الخمر والميسر
ويصدكم عن ذكر الله وعن الصلوة
فهل انتم منتهون۔ واطيعوا الله
واطيعوا الرسول واحذروا فان توليتم

کہ شیطان تم شراب پلا کر تم میں بغض وعداوت پھیلانا۔ اور تم کو ذکر خدا سے اور نماز سے روکنا چاہتا ہے۔ اور یہ ذکر کہ جو ایمان لائے ہیں اور انہوں نے نیک عمل کئے ان پر گناہ نہیں اس میں جو وہ پی چکے ہیں (جس سے واقع میں یہ مراد ہے کہ جو مومن نیک عمل حکم حرمت شراب سے پہلے شراب پی کر فوت ہو چکے ہیں وہ گناہ گار نہیں مرے۔) آمیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فاعلموا انما علی رسولنا البلغ المبین۔ لیس علی الذین امنوا وعملوا الصلحت جناح فیما طعموا اذا ما اتقوا وامنوا وعملوا الصلحت ثم اتقوا وامنوا ثم اتقوا واحسنوا واللہ یحب المحسنین۔

(س۔ مائدہ۔ ع ۱۲)

ہے۔ اگر کوئی آپ کے اصول پر چلے۔ اور تخصیص حکم عام میں بے قانونی اختیار کرے۔ تو وہ بدست آویز سیاق یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ حکم عام نہیں ہے بلکہ اُن لوگوں سے مخصوص ہے جو شراب پی کر آپس میں لڑیں۔ اور نماز پڑھنا چھوڑ دیں اور وہ لوگ جو قوت معدہ اور دماغ کے سبب یا تھوڑی شراب پینے کے التزام سے شراب پی کر بدحواس ہو کر آپس میں نہیں لڑتے۔ بلکہ آپس میں محبت کریں اور ذکر و نماز سے غافل نہ ہوں وہ اس حکم سے مستثنے ہیں۔ جس کا کوئی مسلمان قائل نہیں ہو سکتا)

از انجملہ حکم حرمت زنا ہے یہ حکم بھی باتفاق اہل اسلام عام ہے مگر اس حکم کے متضمن آیات کی سیاق و سباق میں بھی۔ ایسی خصوصیتیں پائی جاتی ہیں ✤

ولا تقتلوا اولادکم خشیۃ املاق نحن نرزقہم وایاکم ان قتلہم کان خطأ کبیرا۔ ولا تقربوا الزنی انہ کان فاحشۃ وساء سبیلا۔ ولا تقتلوا النفس التی حرم اللہ بالحق ومن قتل مظلوما فقد جعلنا لولیہ سلطانا فلا یسرف فی القتل انہ کان منصورا۔ ولا تقربوا مال الیتیم الا بالتی ہی احسن حتی یبلغ اشدہ واوفوا بالعہد

ایک آیت میں حکم ممانعت زنا سے پہلے یہ ذکر ہے کہ اپنی اولاد کو فقیری کے خوف سے قتل نہ کرو۔ اور اسکے بعد فرمایا ہے کہ یتیموں کا مال نہ کھاؤ۔ اور اس سے پہلے سورہ نساء میں ذکر ہے کہ تمہاری مائیں اور بیٹیاں تم پر حرام ہیں اسلیے بھی اگر آپکے اصول پر کوئی چلے۔ تو وہ کہہ سکتا ہے کہ اس آیۃ میں عام زنا کی ممانعت مراد نہیں بلکہ خاص کر یتیم لڑکیوں سے یا اپنی اولاد سے زنا کی ممانعت مراد ہے اور اس حکم سے وہ لوگ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا ۔
(بنی اسرائیل ع ۳)

مستثنےٰ ہیں۔ جو بازاری عورتوں سے زنا کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ کسی کی حق تلفی اور ظلم نہیں کرتے۔ (اور اس بات کا بھی کوئی مسلمان قائل نہیں ہو سکتا)۔

اسی قسم کی تخصیصات تمام احکام عام میں بقرینہ سیاق و سباق ہو سکتے ہیں اگر قرینہ تخصیص کا عموم عام کے مخالف ہونا ضروری اور شرط تخصیص تسلیم نہ کیا جائے۔ اور بے ضبطی اور بے قانونی اختیار کر کے ہر ایک قرینہ اور خاص ذکر کو جو سیاق و سباق میں احکام عام کے پایا جائے موجب تخصیص ٹھیرایا جائے۔

اور اس بات کے قائل اور مسلمان تو کب ہو سکتے ہیں۔ راقم عبارات مذکورہ سے بھی بعید نہیں کہ اس کا قائل ہو جائے۔ اور ان تخصیصات کو جو احکام عام فرضیت نماز و روزہ و حج و زکوٰۃ اور حرمت شراب و زنا میں بیان ہوئے ہیں یا جو اور احکام اسلام میں ہو سکتے ہیں صحیح تسلیم کر لے۔

اس بیان سے وہ اعتراض رفع ہوا اور نیز یہی ثابت ہوا کہ راقم عبارت مذکورہ نے جو اپنا اختلاف جدید حکم عام حرمت سود و قرض میں ظاہر کیا ہے اور اس حکم کو مسکینوں سے مخصوص کر کے اس سے مالداروں کو مستثنےٰ قرار دیا ہے وہ بے محل و مخالف اجماع سابق ہونے کے علاوہ بجائے خود بھی حق و صحیح نہیں ہے۔ اور سیاق و سباق آیۂ حرمت ربا میں جو مسکینوں پر صدقہ و خیرات کرنے کا ذکر پایا جاتا ہے۔ وہ حکم حرمت سود و قرض کو مسکینوں سے مخصوص نہیں کر سکتا۔

بعض تحریرات راقم عبارت مذکورہ اس حکم سود میں ایک اور تخصیص کرتے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور یہ کہتے ہیں کہ اس میں خاص کر دوگنا تگنا سود لینا حرام ہوا ہے۔ تھوڑا سا سود جو اصل رقم کے برابر نہ ہو اس حکم حرمت سے مستثنےٰ اور جائز ہے۔ اور اسپر

یا یھا الذین امنوا لا تاکلوا الربوٰا اضعافا مضعفۃ واتقوا اللہ لعلکم تفلحون (آل عمران - ع ۱۳)

وہ اس آیت سے استدلال کرتے ہیں جس میں یہ ارشاد ہے۔ اے ایمان والو! چند در چند سود نہ لو۔ اور خدا سے ڈرو

اس کا جواب بھی بیان سابق میں ادا ہوا ہے۔ کہ کوئی قید یا خصوصیت حکم مطلق یا عام کے اطلاق یا عموم کو باطل نہیں کرتے۔ جبتک کہ وہ قید یا خصوصیت اطلاق یا عموم حکم کے مخالف نہ ہو یعنے عموم یا اطلاق کے معارض نہ ہو۔ اور یہ قید چند در چند کی اس آیت میں ہے اس حکم؎۱ عام و مطلق کی کہ سود (خواہ کیسا ہو) لینا چھوڑ دو۔ مخالف نہیں ہے۔ بلکہ یہ حکم خاص کہ "چند در چند سود نہ لو" اور وہ حکم عام ایک دوسرے کے موید و مصدق ہیں۔ حکم عام کا موید و مصدق حکم خاص ہونا تو ظاہر ہے کیونکہ حکم عام میں ہر قسم کے سود سے (جس میں چند در چند لینا بھی شامل ہے) منع کیا گیا ہے۔ حکم خاص بھی حکم عام کی تائید سے خالی نہیں ہے۔ اسمیں حکم عام کی بعض صورتوں (دو چند سود لینے کی صورت) کی تائید تو پائی جاتی ہے گو بعض صورتوں (کم سود لینے کی صورت) کی تائید سے وہ ساکت ہے۔ بہرحال یہ حکم خاص اس حکم عام کا مخالف کسی وجہ سے نہیں ہے۔

مخالف تب ہوتا جبکہ اسمیں یہ کہا جاتا کہ چند در چند سے کم سود لے لیا کرو یا اسقدر سود لینا حلال ہے۔ اور یہ بات نہ اس آیت میں صریح کہی گئی ہے اور نہ قید چند در چند سے مفہوم و مقصود ہو سکتی ہے۔

اگر کوئی اعتراض کرے کہ اس قید سے یہ مقصود نہیں ہے تو یہ قید کیوں لگائی ہے اور اس سے مقصود کیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے مقصود یہ ہے کہ چند در چند سود لینا

؎۱ یہ حکم عام اس آیہ سورۃ بقرہ میں ہے جو صفحہ (۱۹۳) منقول ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کم سود لینے سے زیادہ ظلم اور سخت گناہ ہے اس سے بچنے کی اور بھی کوشش کرو اور اس میں خدا سے زیادہ ڈرو۔

اسکی پوری نظیر یہ حکم قرآنی ہے کہ قرابتیوں اور مسکینوں اور مسافروں کو

وآت ذا القربی حقه والمسکین و
ابن السبیل + ولا تقتلوا اولادکم
خشیة املاق + ولا تقربوا مال
الیتیم الا بالتی هی احسن (بنی اسرائیل ع ۲ و ۴)
ان الذین یاکلون اموال الیتمی
ظلما انما یاکلون فی بطونهم نارا
(النساء ع ۱) ولا تکرهوا فتیتکم
علی البغاء ان اردن تحصنا لتبتغوا
عرض الدنیا ومن یکرههن فان الله
من بعد اکراههن غفور رحیم (النور ع ۴)

انکا حق ادا کرو۔ حالانکہ اجنبیوں کا حق ادا کرنا بھی ویسا ہی فرض ہے اور یہ حکم کہ اپنی اولاد کو فقیری کے خوف سے قتل نہ کرو حالانکہ اولاد کے علاوہ لوگوں کو مارنا بھی ویسا ہی گناہ ہے اور اولاد کو خوف فقیری کے علاوہ اغراض فاسدہ سے قتل کرنا بھی ویسا ہی گناہ ہے۔ اور یہ حکم کہ یتیموں کے مال میں خیانت نہ کرو اور اسکو ظلم سے کھاؤ حالانکہ اوروں کے مال میں بھی خیانت کرنا جائز نہیں اور نہ اسکا ظلم سے کھالینا جائز ہے۔

اور یہ حکم کہ اپنی باندیوں کو مال کے طمع سے زنا پر مجبور نہ کرو اگر وہ پاک رہنا چاہیں حالانکہ کسی اجنبی عورت کو اور اپنی باندی کو طمع مال کے بغیر وہ عفت (پاک رہنا) نہ بھی چاہتے ہوں زنا پر مجبور کرنا بھی ویسا ہی گناہ ہے۔ و مع ہذا ان آیات میں یہ قیود اور خصوصیات اس غرض سے لگائی گئی کہ ان حالتوں میں اور ان خصوصیات کی وقت وہ احکام جو ان آیات میں بیان ہوئے ہیں زیادہ موکد ہیں فعل حسن زیادہ نیک اور فعل بد زیادہ بد۔ ان قیود سے کوئی مسلمان یہ مقصود نہیں سمجھ سکتا کہ یہ قیدیں نہ ہوں تو یہ فعل حسن واجب نہیں اور فعل بد جائز ہیں ایسا ہی قید چند در چند کو سمجھنا چاہئے کہ اس سے مقصود یہ ہے کہ چند در چند سود لینا زیادہ برا ہے نہ یہ کہ اس سے کم سود لینا جائز ہے +

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس بحث سے یہ ثابت ہوا کہ قرض کا سود علی العموم والاطلاق حرام ہے اور وہ کسی تخصیص کا محل نہیں ہو سکتا اور اس میں کسی اختلاف جدید کی گنجایش نہیں ہے جیسا کہ وہ اختلاف قدیم کا محل نہیں ہے اور وہ سلف سے خلف تک بلا اختلاف و اشتباہ حرام مسلم چلا آتا ہے اس وقت کے لوگوں نے جو اس میں اختلافات و تخصیصات پیدا کی ہیں کہ وہ مسکینوں سے لیا جائے یا چند در چند لیا جائے تب حرام ہے اور غنی اور مالداروں سے اس کا لینا یا کم مقدار اس کا کسی سے لے لینا جائز ہے یہ اتفاق و قرار داد سابق کے بھی مخالف ہے اور نصوص قرآن کے بھی مخالف ہے۔

سود کے معنے بیان ہوئے اور اسکے دونو قسم (سود قرض اور سود بیع) کی صورتیں بتائی گئیں۔ اور یہ بھی ظاہر ہوا۔ کہ اسکے قسم دوم کی وہ صورتیں جنکا حکم حدیث میں مذکور نہیں۔ گو محل اختلاف اہل اسلام ہیں۔ مگر اس قسم کی وہ صورتیں جو حدیث میں بیان ہوئی ہیں۔ اور قسم اول کی کوئی صورت کسی اختلاف لایق اعتبار کا محل نہیں۔ تو اب ہم مطلق سود کی حرمت و مذمت میں کلام خدا و رسول کی شہادت جس میں سود لینے پر وعید شدید وارد ہے نقل کرتے ہیں۔ اور اس سے اُن مسلمانوں کو ڈراتے ہیں جو مطلق سود لینے کو ایک اختلافی مسئلہ قرار دیکر اپنے اجتہاد سے سود قرض کو جائز بنا بیٹھے ہیں۔ اور بے کھٹکا اسکا لین دین جاری کئے ہوئے ہیں۔ اس کے بعد ہم دونو قسم سود کے متعلق چند اسلامی مسائل بیان کرینگے جنکی تعمیل سے مسلمان سود لینے سے بچ سکیں۔ اور اس وعید شدید سے جو سود لینے پر وارد ہے۔ نجات پائیں۔ اس کے بعد ہم سود پر عقلی بحث کرینگے۔ اس کی حرمت کی حکمت اور عقلی وجہ معرض بیان میں لائینگے اور مجوزین سود زمانہ حال کی عقلی دلائل کا (جو جواز سود پر وہ پیش کرتے ہیں) جوا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دینگے۔ انشاء اللہ تعالےٰ ؂

حرمت و مذمت سود پر خدا و رسول کی شہادت

قرآن مجید میں ارشاد ہے جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ (قبروں سے) نہ اُٹھینگے۔ مگر جیسے اُٹھتا ہے وہ جسکو بیہوش کیا شیطان نے چھونے سے

الذین یاکلون الربوا لا یقومون الا کما یقوم الذی یتخبطہ الشیطن من المس ذلک بانھم قالوا انما البیع مثل الربوا واحل اللہ البیع وحرم الربوا فمن جاءہ موعظۃ من ربہ فانتھی فلہ ما سلف وامرہ الی اللہ ومن عاد فاولئک اصحب النار ھم فیھا خلدون ۔ یا ایھا الذین امنوا اتقوا اللہ وذروا ما بقی من الربوا ان کنتم مومنین۔ فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ

(البقرہ۔ ع۔ ۳۸)

یا ایھا الذین امنوا لا تاکلوا الربوا اضعافا مضعفۃ واتقوا اللہ لعلکم تفلحون واتقوا النار التی اعدت للکفرین

(آل عمران۔ ع۔ ۱۴)

یہ اس لئے کہ انہوں نے کہا بیچنا خریدنا بھی تو ویسا ہی ہے۔ جیسا کہ سود لینا۔ اور خدا تعالیٰ نے بیچنا خریدنا حلال کیا ہے اور سود حرام۔ پھر جسکو خدا کی طرف سے نصیحت پہنچی تو وہ باز آیا اسکا ہوا جو وہ پہلے لیچکا۔ اسکا حکم (معافی) خدا کے اختیار میں ہے۔ اور جو پھر سود لینگے۔ وہ آگ والی ہیں اس میں ہمیشہ رہینگے۔ اور پھر فرمایا اے ایمان والو خدا سے ڈرو۔ اور جو سود رہ گیا ہے۔ وہ چھوڑ دو اگر تم مسلمان ہو ایسا نکرو تو خدا سے لڑنے کو خبردار (تیار) ہو جاؤ۔

اور فرمایا۔ ایمان والو دونے پر دونا سود نہ کھاؤ۔ اور خدا سے ڈرو تو تم چھٹکارا پاؤ۔ اور آگ سے بچو جو کافروں کے لئے تیار رہے۔

© rasailojaraid.com

حدیث میں ارشاد ہے:- آنحضرت صلعم نے سود کھانے والے اور کھلانیوالے اسکے گواہوں اور اسکے وثیقہ لکھنے والے سب کو لعنت کی ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے ایک درہم سود کوئی دیدہ دانستہ کھائے تو یہ چھتیس بار زنا کرنے سے سخت تر ہے

ایک حدیث میں آیا ہے سود لینا ساٹھ گناہ کرنا ہے۔ جسکا ادنے یہ ہے کہ کوئی اپنی ماں سے زنا کرے۔

ایک حدیث میں سود لینے کو ستر ایک میں تہتر گناہ کے برابر قرار دیا گیا ہے (یہ عدد کا اختلاف اسکے مختلف اضعاف کے نظر سے ہے۔ جس قدر اس میں زیادتی ہو اسی قدر اسکے گناہ میں سختی ہوتی ہے)۔

قرآن مجید میں جو وعید شدید سود پر وارد ہے وہ سود قرض کے متعلق ہے۔ چنانچہ قرآن مجید کے وہ الفاظ جن میں سود کو بیع کے مقابل

عن ابن مسعود ان النبی صلعم لعن اکل الربا وموکلہ وکاتبہ وشاھدیہ رواہ الخمسہ وصححہ الترمذی

عن عبد اللہ بن حنظلۃ غسیل الملائکۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم درھم ربا یاکلہ الرجل وھو یعلم اشد من ستۃ وثلاثین زنیۃ۔ رواہ احمد قال فی مجمع الزوائد ورجال احمد رجال الصحیح۔

ویشھد لہ حدیث البراء عند ابن جریر بلفظ الربا اثنان وسبعون بابا ادناھا مثل اتیان الرجل امہ۔ وحدیث ابی ھریرۃ عند البیھقی الربا سبعون بابا ادناھا الذی یقع علی امہ ق حدیث عبد اللہ بن مسعود عند الحاکم وصححہ بلفظ الربا ثلثۃ وسبعون ابیرھا ان ینکح الرجل امہ

(نیل الاوطار ص۱۵۵ ج ۵)

لہ اتفقوا علی تحریم الربا فی القسمین اما ربا القسم الاول فبا القرآن وامار بوا النقد فبا الخبر (تفسیر کبیر ص۵۴ ج ۲)

© rasailojaraid.com

ٹھیرایا ہے۔ اور باقیماندہ سود کو چھوڑ دینے کا حکم دیا ہے وغیرہ وغیرہ اسپر شاہد ہیں۔ اور حدیث شریف میں جو وعید وارد ہے۔ وہ سود قرض اور سود بیع دونوں کے متعلق ہے۔ اس وعید کا سود قرض کے متعلق ہونا تو اصل ہی ہے۔ سود بیع بھی اسی کے حکم میں ہے۔ کیونکہ سود بیع کو آنحضرت نے سود قرض سے ملحق کر دیا ہے۔ جبکہ اس بیع کی بڑھوتری پر لفظ سود کا اطلاق فرمایا۔ اور اس میں سود قرض کا اصل مفہوم (زیادتی بلا عوض) بھی پایا جاتا ہے (جسکا ثبوت عنقریب آتا ہے) جو لوگ بیع کے سود کو اس وعید کا محل نہیں سمجھتے وہ سخت غلطی پر ہیں اور وہ شارع علیہ السلام کے الفاظ سے ان کے مفاہیم اور لوازم کو جدا کرتے ہیں۔ انپر زیادہ تر افسوس اور تعجب اس وجہ سے ہے کہ بیع کے سود پر لفظ سود کا اطلاق شارع کی کلام میں پایا جانا وہ مانتے ہیں (چنانچہ صفحہ (۱۷۶) میں ایسے منقول ہوا) پھر اس لفظ کے معنے کو اس لفظ سے جدا کرتے ہیں۔

لہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں اعلم ان الربا علی وجہین حقیقی و محمول علیہا ما الحقیقی فہو فی الدیون وقد ذکرنا ان فیہ قلبا لموضوع المعاملات وان الناس کانوا منہمکین فیہ فی الجاہلیۃ اشد انہماک وکان حدث لاجلہ محاربات مستطیرۃ وکان قلیلہ یدعو الی کثیرہ فوجب ان یسد بابہ بالکلیۃ ولذلک نزل فی القرآن فی شانہ ما نزل والثانی ربا الفضل والاصل فیہ الحدیث المستفیض الذہب بالذہب والفضۃ بالفضۃ والبر بالبر والشعیر بالشعیر والتمر بالتمر والملح بالملح مثلا بمثل سواء بسواء یدا بید فاذا اختلفت ہذہ الاصناف فبیعوا کیف شئتم اذا کان یدا بید ہو مسمی ربا تغلیظا وتشبیہا لہ بالربا الحقیقی علی حد قولہ علیہ السلام المنجم کاہن وبہ یفہم معنی قولہ صلی اللہ علیہ وسلم لا ربا الا فی النسیئۃ ثم کثر فی الشرع استعمال الربا فی ہذا المعنی حتی صار حقیقۃ شرعیۃ فیہ ایضا (حجۃ اللہ البالغہ ص ۲۹۶)

© rasailojaraid.com

دونوں قسم سود کے متعلق اسلامی مسائل

مسائل متعلقہ سود قسم دوم

قسم دوم سود (بیع کے سود) کی ان صورتوں کے متعلق جنکا حکم حدیث میں مذکور نہیں اور اس لئے وہ محل اختلاف اکابر مجتہدین ہیں ہم کوئی مفصل بحث کرنا نہیں چاہتے اور ان مسائل کو جن میں قدیم سے اختلاف چلا آیا ہے۔ اس مختصر مضمون میں تفصیل بیان نہیں کر سکتے۔ ان کی نسبت ہم صرف یہ ظاہر کر دینا کافی سمجھتے ہیں۔ کہ ان مسائل میں ہم امام الائمہ فخر الامہ حضرت امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کی رائے رزین سے اتفاق رکھتے ہیں۔ یا یوں کہیں کہ ہم ان کی رائے کے تابع ہیں۔ اور یہ اعتقاد رکھتے ہیں۔ کہ ربا ان ہی چھ چیزوں میں جنکا ذکر ایک حدیث میں آیا ہے منحصر نہیں ہے۔ اور ہم جنس اشیاء میں بھی جو پیمانہ سے ناپی یا ترازو سے تولی جاویں ربا پایا جاتا ہے۔ (اگر ان کے مبادلہ میں کمی و بیشی یا نسیہ ہو) اور صرف چھ چیزوں کا ذکر بعض احادیث میں بطور تمثیل ہوا ہے۔ نہ اس نظر سے کہ ربا ان ہی چھ چیزوں میں منحصر ہے۔

اس اتفاق یا اتباع رائے امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ پر شاید ہمارے گروہ کے جہلا یا نام کے علما ہم پر حنفی یا مقلد ہو جانے کا (جسکو وہ مرتد ہو جانے کے برابر سمجھتے ہیں) الزام لگا دیں اور چند روز کی بدگوئی سے لڑا کے اخباروں کے صفحات کو اپنے نامہ اعمال کی طرح سیاہ کریں۔ ان کی دہان بندی کی غرض سے ہم ان احادیث و دلائل کو قاضی شوکانی کی کتاب سے نقل کرتے ہیں۔ جنکی نظر سے ہم نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

امام علیہ الرحمۃ کا اتباع اختیار کیا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ مجتہدین متاخرین سے قاضی شوکانی بھی اتفاق رائے امام علیہ الرحمۃ میں ہمارے ساتھ ہیں۔

قاضی محمد بن علی شوکانی دربہیہ کی شرح میں فرماتے ہیں۔ جو لوگ قائل ہیں کہ چھ چیزوں کے علاوہ اشیاء بھی ان چھ چیزوں کے حکم میں ہیں۔ ان کی دلیل

وقد یستدل لمن قال بالالحاق بما اخرجه الدارقطنی والبزار من حدیث عبادة وانس ان النبی صلعم قال ما وزن مثل بمثل اذا کان نوعًا واحدًا وما کیل فمثل ذلک فاذا اختلف النوعان فلا باس به وقد اشار الی هذا الحدیث صاحب التلخیص ولم یتکلم علیه وفی اسناده الربیع بن صبیح وثقه ابو زرعه وغیره وضعفه جماعته وهذا الحدیث کما یدل علی الحاق غیر الستة بها کذلک یدل علی ان العلة الاتفاق فی الکیل والوزن مع اتحاد الجنس۔

ومما یدل علی ان الربا یثبت فی غیر هذه الاجناس حدیث ابن عمر فی الصحیحین قال نهی رسول الله صلعم عن المزابنة ان یبیع الرجل ثمر حائطه

ایک یہ حدیث بیان کیجاتی ہے۔ کہ آنحضرت نے فرمایا ہے۔ جو چیز وزن کیجائے۔ وہ برابر کے برابر سے فروخت ہو۔ اور جو چیز پیمانہ میں آوے وہ بھی ایسی ہی ہو یعنے برابر کی برابر ہو۔ اور جب دونو عوض مختلف قسم کے ہوں تو کمی و بیشی کا کچھ ڈر نہیں صاحب تلخیص (حافظ ابن حجر) نے اس حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے۔ مگر اسکے صحت و ضعف کی بابت کچھ نہیں کہا۔ اور اسکی سند میں ربیع بن صبیح راوی ہے جسکو ابو زرعہ وغیرہ نے ثقہ بتایا ہے۔ اور چند لوگوں نے ضعیف کہا۔ اس حدیث سے جیسا کہ یہ ثابت ہے کہ چھ چیزوں کے علاوہ اشیاء بھی ان چھ کے حکم میں ہیں ویسا ہی یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حرمت ربا کی علت و سبب اشیاء کا ہمجنس ہونیکے ساتھ ناپا جانا یا وزن کیا جانا ہے اور منجملہ ان دلائل کے جنسے ثابت ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان کان نخلاً بتمر کیلاً وان کان کرماً ان یبیعہ بزبیب کیلاً وان کان زرعاً ان یبیعہ بکیل طعام نھی عن ذلک کلہ وفی لفظ لمسلم وعن کل ثمر بخرصہ فان ھذا الحدیث یدل علی ثبوت الربا فی الکرم والزبیب ومن روایۃ مسلم یدل علی اعم من ذلک۔ ومما یدل علی الالحاق ما اخرجہ مالک فی الموطا عن سعید بن المسیب ان النبی صلعم نھی عن بیع اللحم بالحیوان واخرجہ ایضا الشافعی وابوداود فی المراسیل ووصلہ الدارقطنی فی الغرائب عن مالک عن الزہری عن سہل بن سعد وحکم بضعفہ وصوب الروایۃ المرسلۃ وتبعہ ابن عبدالبر ولہ شاہد من حدیث ابن عمر عند البزار وفی اسنادہ ثابت بن زہیر وھو ضعیف واخرجہ ایضاً من روایۃ ابی امیۃ بن یعلی عن نافع ایضاً وابو امیہ ضعیف ولہ شاھد

کہ چھ چیزوں کے علاوہ ہم جنس اشیائی میں بھی ربا ہوتا ہے بخاری ومسلم کی یہ حدیث ہے کہ آنحضرت نے مزابنہ سے منع کیا ہے۔ وہ (مزابنہ) یہ ہے کہ کوئی اپنے باغ کا پھل کھجوریں ہوں تو خرما سے ناپ کر فروخت کرے۔ انگور ہوں تو منقی سے ناپ کر۔ کھیت ہو تو غلہ سے ناپ کر۔ مسلم کی ایک حدیث میں آیا ہے ہر قسم کے پھل کو اٹکل سے نہ بیچے۔ اس حدیث سے (بخاری ومسلم کی) معلوم ہوتا ہے کہ انگور اور منقے کے مبادلہ میں ربا ہوتا ہے۔ اور مسلم کی حدیث سے ہر ایک پھل کے مبادلہ میں ربا ثابت ہوتا ہے۔

اور منجملہ ان دلائل کے موطا میں سعید بن المسیب کی یہ حدیث مرسل ہے کہ آنحضرت نے گوشت سے حیوان کی بیع کو منع فرمایا ہے اس حدیث کو امام شافعی اور ابوداؤد بھی لائے ہیں اور دارقطنی نے اسکی سند کو صحابی تک ملایا ہے۔ مگر اس موصول روایت کو ضعیف کہا ہے اور اسکے مرسل ہونے کو ٹھیک بتایا ہے اسیکا اتباع ابن عبدالبر نے کیا ہے اس حدیث کے موید ابن عمر کی حدیث بھی ہے مگر اس کی سند

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اقوى منه من رواية الحسن بن سمرة
عند الحاكم والبيهقي وابن خزيمة۔
ومما يؤيد ذلك حديث رافع بن
خديج وسهل بن ابي حثمة عند
الترمذي في رخصة العرايا۔ وفيه
عن بيع الثمر بالزبيب وعن كل ثمر
بخرصه ومما يدل على ان المعتبر الاتفاق
في الوزن حديث ابي سعيد عند احمد
ومسلم والنسائي من حديث ابي هريرة
الذهب بالذهب وزنا بوزن مثلا
بمثل والفضة بالفضة وزنا بوزن
مثلا بمثل۔ وعند مسلم والنسائي
وابي داؤد من حديث فضالة
بن عبيد عن النبي صلعم لا تبيعوا الذهب
بالذهب الا وزنا بوزن ومما
ورد في اعتبار الكيل حديث ابن
عمر المتقدم وفيه وان كان كرما
ان يبيعه بزبيب كيلا۔ وما سياتي
قريبا من النهي عن بيع الصبرة
لا يعلم كيلها۔ (الدراري المضيئة
شرح الدرر البهية ونحوه في نيل الاوطار للشوكاني)

یعنی ثابت ہوتی ہے اور یہ راوی ضعیف ہے۔ ایک روایت
ابو ہریرہ کی اسکی موید ہے مگر وہ بھی ضعیف ہے اور اسکی
ایک تحقیق یہی موید حسن بن سمرہ کی روایت ہے۔
اسکے موئدات سے رافع بن خدیج وغیرہ کی
وہ حدیث بھی ہے جو ترمذی نے نقل کی ہے جسمیں یہ
ذکر ہے کہ آنحضرت صلعم نے انگور کو منقے سے اور
درختوں کے پھل کو ٹوٹے ہوئے پھل سے اٹکل پچو فروخت
کرنے سے منع کیا ہے۔
وزن کے لائق اعتبار ہونے پر یہ حدیث بھی دلیل
ہے جو مسلم وغیرہ میں ہے کہ سونا سونے کے اور
چاندی چاندی کے برابر تول کر فروخت
کیجاوے
اور پیمانہ کے لائق لحاظ ہونے پر ابن عمر کی
حدیث مذکور دلیل ہے جسمیں یہ ذکر ہے کہ درخت
پر انگور ہوں تو انکو ناپے ہوئے منقے سے فروخت
کر ڈالنا یہ ہے۔ اور وہ حدیث جو عنقریب
مذکور ہوگی کہ آنحضرت صلعم نے غلے کے
ڈھیر کو جسکی مقدار معلوم نہو پیمانہ غلے سے
فروخت کرنے سے منع کیا ہے۔
ان روایات سے جنمیں اکثر صحیح ہیں
صاف ثابت ہے کہ ربا ان چھ چیزوں میں منحصر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہیں ہے۔ انکے علاوہ اشیاء (انگور۔ تمام درختوں کے پھل۔ حیوان کا گوشت کھیتوں میں اور ڈھیروں کا غلہ (چاول۔ باجرا وغیرہ) میں بھی ربا ہوتا ہے۔ اور ربا کی علت عوضین کا ہمجنس ہونا اور وزن کیا جانا یا پیمانہ سے ناپا جاتا ہے۔ جیسا کہ امام الائمہ ابو حنیفہ علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے۔

یہاں امام ابو حنیفہ یا خود شارع پر جنہوں نے وزن اور پیمانہ کو اتحاد جنس کے ساتھ علت ربا قرار دیا ہے۔ شاید کوئی یہ **سوال** کرے کہ اس علت کی کیا علت ہے۔ یعنے وزن و پیمانہ کو کیوں علت ٹھیرایا ہے۔ اور جو چیز وزن یا پیمانہ میں نہ آوے انکے مبادلہ میں جو ہمجنس سے ہو کمی بیشی کو کیوں حرام نہیں کیا۔ کیا وہاں زیادتی بلا عوض جو ربا یا سود میں پائی جاتی ہے نہیں پائی جاتی؟ **اس کا جواب** عقلی بحث میں آئیگا۔ جہاں حرمت سود کی عقلی وجہ کا بیان ہوگا

اور اس **قسم** (دوم) کی اُن صورتوں کے متعلق جنکا حکم صریح احادیث میں آچکا ہے۔ ہم **مسائل** ذیل کا بیان کرنا ضرور سمجھتے ہیں۔ کیونکہ اکثر لوگ ان میں مبتلا ہیں اور اپنے روزمرہ کے معاملات میں ان صورتوں کی ربا سے نہیں بچتے۔

(۱)

مسئلہ

ایک درہم یا ایک روپیہ کا دو درہم یا دو روپیہ سے اور ایک دینار یا اشرفی کا دو دینار یا دو اشرفیوں سے اور ایک سیر گیہوں یا جو یا کھجور کا دو سیر گیہوں یا جو یا کھجور سے مبادلہ (دست بدستؔ کیوں نہ ہو) جائز نہیں اور یہ زیادتی جو اس مبادلہ میں پائی جاتی ہے۔ ربا (یا سود) ہے۔

اس مسئلہ کی دلیل وہ حدیث ہے جو بصفحہ (۱۷۰) منقول ہے جس میں یہ بیان ہے۔ کہ چاندی کا چاندی سے اور سونے کا سونے سے اور گیہوں کا گیہوں

ؔ اور اگر اس مبادلہ میں ایک جانب کا ادھار رہے تو یہ مبادلہ بطریق اولیٰ جائز نہیں ہے کیونکہ اس میں علاوہ حقیقی کمی بیشی کے معنوی اور حکمی کمی بیشی بھی پائی جاتی ہے۔ جس کا بیان مسئلہ دوم میں ہوگا۔ انشاء اللہ تعالےٰ ۱۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے مبادلہ ہو تو اس میں بھی سود جاری رہتا ہے۔ اور خاص کر درم و دینا کے مبادلہ

عن ابی هريرة ان رسول الله صلعم قال الدينار بالدينار لا فضل بينهما۔ والدرهم بالدرهم لا فضل بينهما۔ (مسلم ص ۲۵)

کا حکم فرمایا ہے کہ ایک درہم کے بدلے ایک درہم اور ایک دینار کے بدلے ایک دینار ہو۔ ان میں زیادتی نہ ہو۔ اس زیادتی کا سود ہونا ظاہر ہے

کیونکہ یہ بلا عوض زیادتی ہے۔ جو سود میں پائی جاتی ہے۔ جسکی تشریح عقلی بحث میں ہوگی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ اور اس زیادتی کا سود ہونا تمام اہل اسلام میں بالاتفاق مسلم ہے۔ صرف حضرت ابن عباسؓ ابن عمرؓ کو اس میں اختلاف تھا۔ وہ قائل تھے کہ سود ادھار ہی کی صورت میں ہوتا ہے۔ دست بدست ایک درم کے بدلے دو درم لئے جاویں تو یہ سود نہیں ہے۔ مگر آخر انھوں نے اس رائے سے رجوع کیا۔ جب ابو سعید خدری سے سن لیا کہ یہ بھی سود ہے۔

بخاری و مسلم نے ابو صالح زیات سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے

عن عمرو بن دينار ان ابا صالح الزيات اخبره انه سمع ابا سعيد الخدري يقول الدينار بالدينار والدرهم بالدرهم فقلت له ان ابن عباس لا يقوله فقال ابو سعيد سئلته فقلت اسمعته من رسول الله صلعم او وجدته في كتاب الله فقال كل ذلك لا اقول انتم اعلم برسول الله مني - ولكن اخبرني اسامة ان النبي صلعم قال لا ربى الا في النسية

ابو سعید خدری کو یہ کہتے سنا۔ کہ ایک دینار کے بدلے ایک دینار۔ اور ایک درم کے بدلے ایک درم لو۔ تو میں نے کہا کہ ابن عباس تو ایسا نہ کہتے تھے۔ ابو سعید نے جواب دیا میں نے ابن عباس سے پوچھا تھا۔ کہ جو تم کہتے ہو یہ تم نے آنحضرت سے سنا ہے یا قرآن میں پایا ہے۔ انہوں نے کہا نہ میں نے آنحضرت سے سنا ہے نہ قرآن میں پایا ہے تم آنحضرت کی باتیں مجھ سے بہتر جانتے ہو میں نے اسامہ سے سنا ہے کہ آنحضرت نے فرمایا ہے کہ ربا ادھار ہی میں آتا ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قال ابو عبد الله سمعت سلیمان بن
حرب یقول لا ربٰی الا فی النسیئة قال
هذا عندنا فی الذهب بالورق و
الحنطة بالشعیر متفاضلا ولا باس به
یدا بید ا ولا خیر فیه نسیئة۔ بخاری
ص ۲۹۱ واصل الحدیث فی مسلم ص ۲۷۔
وعن ابی نضرة قال سالت ابن عمر و
ابن عباس عن الصرف فلم یریا به باسا۔
فانی لقاعد عند ابی سعید الخدری
فسالته عن الصرف فقال ما زاد
فهو ربا فانکرت ذلک لقولهما۔
فقال لا احدثک الا ما سمعته من
رسول الله صلعم الی ان ذکر الحدیث۔
قال ابو نضرة فاتیت ابن عمر بعد
فنهانی ولم ات ابن عباس قال
فحدثنی ابو الصهباء انه سال ابن
عباس بمکة فکرهه (مسلم ص ۲۷)
وهذه الاحادیث التی ذکرها مسلم
تدل علی ان ابن عمر وابن عباس لم یکن
بلغهما احادیث النهی عن التفاضل فی غیر النسیئة
فلما بلغهما رجعا الیه (شرح مسلم ص ۲۷ ج ۲) روی الحاکم
عن ابن عباس [illegible]

صحیح بخاری میں سلیمان بن حرب سے منقول ہے
کہ آنحضرت کا یہ قول چاندی سے سونے کے
مبادلہ اور جو سے گیہوں کے مبادلہ کے
متعلق ہے ان میں دست بدست معاملہ میں کمی
بیشی جائز ہے۔
صحیح مسلم میں ابو نضرہ سے مروی ہے کہ میں
ابو سعید خدری سے حدیث ممانعت ربا سنکر
ابن عمر سے ملا تو انہوں نے اس بیع سے منع کیا۔ ابن عباس
سے پھر میں خود نہیں ملا۔ مگر ابو الصہبا نے مجھے بتایا ہے
کہ ابن عباس سے انہوں نے مکہ میں اس بیع کی بابت سوال
کیا تو انہوں نے اسکو برا کہا۔
امام نووی صحیح مسلم کی شرح
فرماتے ہیں کہ ان روایات سے جنکو
مسلم نے نقل کیا ہے معلوم ہوتا ہے
کہ ابن عمر و ابن عباس کو یہ احادیث نہ
پہنچی تھیں جنمیں دست بدست مبادلہ
چاندی سونے میں اپنے ہمجنس سے زیادتی
سے منع کیا ہے اور جب یہ حدیثیں انکو
پہنچ گئیں تو انہوں نے اپنے قول سے
رجوع کیا۔
حاکم نے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ابو سعید فذکر الحدیث۔ فقال ابن عباس استغفر الله واتوب الیه فکان ینهی اشد انتهی۔ (قسطلانی شرح بخاری ص۱۶۵ ج۴)

ابن عباس کو ملے پھر انہوں نے حدیث بیان کی۔ پس ابن عباس نے کہا میں خدا سے بخشش اور معافی مانگتا ہوں اور اپنے خیال سے توبہ کرتا ہوں۔ پھر تو وہ اس سے بہت سختی کے ساتھ ممانعت کیا کرتے۔

(۲)

مسئلہ

ان چھ چیزوں میں سے کسی جنس کا غیر جنس مگر ہم پیمانہ یا ہم وزن سے مبادلہ ہو (مثلاً چاندی کا سونے سے ہو یا گیہوں کا جو سے) تو اسمیں کمی و بیشی جائز ہے داخل ربا نہیں ہے۔ مگر ادھار کرنا جائز نہیں۔ اس میں ربا لازم آتا ہے ایسی مسئلہ کی دلیل وہ حدیث عبادہ ہے۔ جو بصفحہ (۱۷۰) گذری۔ (جس میں یہ بیان ہے کہ مختلف اجناس ہوں تو جس طرح چاہو بیچو کمی و بیشی کے ساتھ بیع کرو بشرطیکہ معاملہ دست بدست ہو)۔ اور حدیث اسامہ جو مسئلہ سابق کے ضمن میں بصفحہ ۲۰۴ گذری اس (حدیث) میں جو صحیح بخاری میں ہے سلیمان بن حرب کا قول منقول ہوا ہے۔ کہ اس حدیث میں چاندی سے سونے کے مبادلہ میں ادھار کرنیکو ربا کہا ہے۔

امام نووی شرح مسلم میں فرماتے ہیں کہ اس حدیث اسامہ کے ظاہری معنے کہ

وقد اجمعوا المسلمون على ترك العمل بظاهره ... والثالث انه مجمل وحديث عبادة وابي سعيد الخدري مبين فوجب العمل بالمبين وتنزيل المجمل عليه

ادھار ہی میں ربا ہوتا ہے۔ بالاتفاق اہل اسلام متروک ہیں۔ اور اسکی تاویل کی گئی ہے کہ ... سوم یہ کہ یہ حدیث مجمل ہے۔ اور عبادہ اور ابو سعید خدری کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علیہ وهذا جواب الشافی علیہ الرحمۃ
(شرح مسلم ص۲۷)

حدیث مفسر ہے۔ لہٰذا اس حدیث کو حدیث عبادہ اور حدیث ابوسعید خدری کے تابع کر کے اس کے یہ معنے قرار دینے واجب ہیں کہ غیر جنس اگر ہم وزن سے مبادلہ ہو تو اس میں ادھار کی صورت میں ربا ہوتا ہے کمی بیشی سے ربا نہیں ہوتا۔

اس مبادلہ میں کمی و بیشی سے ربا ثابت نہ ہونے کی

وجہ یہ ہے کہ ربا اس بلا عوض زیادتی کا نام ہے جو برابری کے اوپر بڑھوتری ہو۔ اور مختلف جنس کی چیزوں میں برابری نہیں ہوسکتی۔ تو اس پر بڑھوتری کیونکر ہوسکے۔

ان میں سے ایک چیز دوسری کے مقدار میں برابر ہو (جیسے ایک تولہ سونا بمقابلہ ایک تولہ چاندی کے) تو وہ قدر اور قیمت میں اسکے برابر نہ ہوگی۔ اور اگر قدر و قیمت میں برابر ہو (جیسے ایک تولہ سونا بمقابلہ بیس تولہ چاندی کے) تو وہ مقدار میں برابر نہ ہوگی۔

اور جب انکی برابری ناممکن ہے تو ایک سے دوسری بڑھوتری کب ممکن ہے۔ پھر انکی ظاہری کمی بیشی کو ربا کہنا کب جائز ہے۔

یہ مبادلہ بعینہٖ اس مبادلہ کی مانند ہوا جس میں کوئی شخص ربا تجویز نہیں کرسکتا۔ جیسے سو روپیہ کا مبادلہ ایک گھوڑے سے یا ایک گھوڑے کا مبادلہ بھینس سے۔

اور اس مبادلہ میں ادھار سے ربا (یا سود) لازم آنے کی وجہ

یہ ہے کہ اس مبادلہ کے جانبین (عوضین) میں جو معیار (پیمانہ یا وزن) میں اتحاد ہے۔ وہ ان کو ادھار کی صورت میں ربا کا محل بناتا ہے۔

وہ اتحاد یہ بتاتا ہے کہ یہ چیزیں (عوضین) علت ربا کی ایک جزء (مقدار یا موزون ہونے یا ناپی جانے کی صفت) میں برابر کی شریک ہیں۔ اور اس صفت میں وہ باخود نا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سود ربا - وغیرہ

متساوی ہیں۔ پھر ایک چیز کا دم نقد دیا جانا اور دوسری کا ادھار تجویز کرنا اس برابری کو توڑ کر ایک چیز کو دوسری چیز پر فوقیت دینا ہے۔ اور اس میں جانب نقد کی مالیت میں بڑھوتری بلا عوض کو تجویز کرنا ہے۔ کیونکہ جس شخص کو اپنی چیز کے عوض میں دم نقد پیسہ یا غلہ ملتا ہے۔ وہ تھوڑی مدت میں ایک سے دو بنا سکتا ہے۔ اور جس کے ساتھ اُسکے عوض کا ادھار کیا گیا اس کا عوض ویسے کا ویسا رہا۔ اور یہ اس مساوات معیار کی نظر سے خاصہ سود ہے کیونکہ بلا عوض بڑھوتری ہے۔

ان اشیاء میں جو جنس کا اختلاف ہے اس کا اثر و لحاظ پورا ہو چکا کہ اسنے کمی و بیشی کو جائز کر کے عوض کم مقدار کو عوض زیادہ مقدار کے مساوی قرار دیا۔ اب اس پر اور زیادتی کرنا اس برابری کو توڑ کر ایک جانب میں بڑھوتری تجویز کرنا ہے جس کا اختلاف جنس ہرگز مقتضی نہیں اور اتحاد معیار قطعاً مانع ہے

اس تقریر سے یہ اعتراض کہ "اختلاف جنس سے حقیقی کمی و بیشی جائز ہو جاتی ہے تو اس سے حکمی کمی و بیشی جو ایک جانب کی نقدی دوسری کے ادھار سے لازم آتی ہے کیوں جائز نہیں ہوتی" نیز رفع ہوا۔ کیونکہ اس تقریر سے ثابت ہوا کہ اختلاف جنس کا لازمی اثر صرف اسی قدر تھا کہ اس نے ایک جانب کی زیادتی کو جانب ثانی کی کمی کے مساوی کر دیا اور اس کو جائز قرار دیکر حد ربا سے خارج کیا۔ اس پر یہ اور طرہ کہ وہ اس باقی پر زیادتی کو جائز کرتا چلا جائے۔ اور اس حکمی زیادتی کو جو ادھار سے لازم آتی ہے نیز جائز بنا دے۔ یہ اس اختلاف کا لازمی اثر و مقتضا ہرگز نہیں ہے خصوصاً اس حالت میں کہ اس اختلاف کے مقابلہ میں اس زیادتی سے ایک قوی مانع (ان چیزوں کا وزن و پیمانہ میں اتحاد) موجود ہے۔

ادھار کی صورت میں ربا لازم آنے کی وجہ ثبوت میں جو کچھ کہا ہے ہر چند اسکا **اصل اصول** علمائے متقدمین و متاخرین کے کلام میں جنکے ہم خوشہ چین ہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جیسے محقق حنفیہ[۱] صاحب ہدایہ جو تطبیق منقول و معقول میں اپنے بعد کے مسلمانوں میں اپنی نظیر نہیں رکھتے۔ اور حضرت شاہ[۲] ولی اللہ جو بیان احکام اسلام میں

[۱] ہدایہ میں بصفحہ ۶۲ ج ۳ فرمایا ہے "واذا عدم الوصفان الجنس والمعنی المضموم الیه حل التفاضل والنساء لعدم العلة المحرمة والاصل فیه الاباحة واذا وجدا حرم التفاضل والنساء لوجود العلة۔ واذا وجد احدهما وعدم الآخر حل التفاضل وحرم النساء مثل ان یسلم هرویا فی هروی وحنطة فی شعیر۔ فحرمة ربوا الفضل بالوصفین وحرمة النساء باحدهما۔ وقال الشافعی رحمة الله علیه الجنس بانفراده لا یحرم النساء لان بالنقدیة وعدمها لا یثبت الا شبهة الفضل وحقیقة الفضل غیر مانع فیه حتی یجوز بیع الواحد باثنین فالشبهة اولی۔ ولنا انه مال الربو من وجه نظرا الی القدر والجنس والنقدیة اوجبت فضلا فی المالیة فتتحقق شبهة الربو وهی مانع کالحقیقة"۔

[۲] حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ حجۃ اللہ البالغہ میں بصفحہ ۹۷ ج ۲ فرماتے ہیں۔ "اذا کان النقد فی جانب والطعام او غیره فی جانب فالنقد وسیلة لطلب الشیء کما هو مقتضی النقدیة فکان حقیقا بان یبذل قبل الشیء واذا کان فی کلا الجانبین النقد والطعام کان الحکم ببذل احدهما تحکما ولو لم یبذل من الجانبین کان بیع الکالی بالکالی وربما یشح بتقدیم البدل فاقتضی العدل ان یقطع الخلاف بینهما ویؤمرا جمیعا ان لا یتفرقا الا عن قبض وانما خص الطعام والنقد لانهما اصل الاموال واکثرها تعاورا ولا ینتفع بهما الا بعد اهلاکهما فلذلک کان الحرج فی التفرق عن بیعهما قبل القبض اکثر وافضی الی المنازعة والمنع فیهما اردع عن تنوق المعاملة"۔

ناظرین اہل علم ان دونو عبارتوں کے بیان اور ہمارے ناچیز بیان کا مقابلہ کریں اسمیں کچھ خصوصیت مزیت پاویں تو خاکسار کو دعائے ترقی علم وخشیۃ اللہ سے یاد کریں۔ ان عبارتوں کا ترجمہ اسلئے نہیں ہوا کہ یہ عوام کے سمجھنے کے لائق نہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خاتمۃ المحققین ہو چکے ہیں) پایا جاتا ہے۔ مگر جو تقریر خدا کی توفیق سے اس مقام میں لکھی گئی ہے یہ کتب متقدمین ومتاخرین میں کہیں دیکھی نہیں گئی۔ اس انعام الٰہی و دیگر نعمائے غیر متناہی کا یہ خاکسار ذرہ بے مقدار شکریہ ادا نہیں کر سکتا۔ اور بجائے تادیہ شکریہ اس شکر سے عجز کا اعتراف بہ تمثل رباعی ذیل کرتا ہے۔

اگر ہر موئے من گردد زبانے ز تو رانم بہر یک داستانے
نیارم گوہرِ شکر تو سفتن ز ہر موئے ز احسان تو گفتن

(۳)

مسئلہ

چاندی یا سونے سے گیہوں وغیرہ کا مبادلہ ہو تو اسمیں کمی وبیشی (مثلاً ایک روپیہ کے بدلے دو پیمانہ گیہوں) اور ایک جانب کا ادھار (مثلاً آج روپیہ دیا اور ایک مہینے کو غلہ لینا کیا) دونوں جائز ہیں۔ اور دونوں حالت میں ربا نہیں ہوتا۔ نہ کمی وبیشی سے نہ ایک جانب کے ادھار ہونے سے۔

اس مسئلہ کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت نے مختلف اجناس کے جنکا پیمانہ ایک ہو مبادلہ میں کمی زیادتی سے منع کیا ہے نہ ادھار سے بلکہ کمی وزیادتی کو جائز فرمایا ہے اور ادھار کا عمل جائز رکھا۔ اور خود کر کے دکھا دیا۔

کمی زیادتی کا جواز آپ کی اس حدیث میں پایا جاتا ہے جسمیں آپ نے چھ چیزوں کا ذکر فرما کر ارشاد کیا ہے کہ جس نے زیادہ دیا یا لیا اس نے سود کا معاملہ کیا بجز ان اشیاء کے جنکے اجناس مختلف ہوں۔

فمن زاد او استزاد فقد اربیٰ الا ما اختلف الوانه (صحیح مسلم ص۲۵ ج ۲)

خصوصاً عبارت ہدایہ جسکو ہمارے گروہ کے عوام تو کیا اکثر خواص بھی نہیں سمجھ سکتے جو علم منقول سے واقف نہیں ہیں یہی وجہ ہے کہ آئندہ بھی جہاں کہیں ہدایہ کی عبارت کو نقل کیا جائیگا اسکا ترجمہ نہوگا بلکہ اسکا خلاصہ مطلب بیان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور اس مضمون کی حدیث عبادہ بصفحہ (۱۰۷) گذر چکی ہے۔ اس حدیث میں جو دست بدست معاملہ کی قید ہے۔ وہ اس صورت میں ہے کہ عوضین کا پیمانہ ایک ہو یعنے دونو وزن کئے جائیں جیسے چاندی اور سونا۔ یا دونو پیمانہ سے ناپے جاویں۔ جیسے گیہوں اور جو (جو عرب میں صاع وغیرہ سے ناپے جاتے ہیں) اس سے وہ عوضین مراد نہیں جن میں ایک موزون ہو (جیسے چاندی یا سونا) دوسرا ناپا گیا (غلہ وغیرہ) اسپر دلیل وہ احادیث ہیں۔ جن سے ایسی صورت میں ادھار کا جواز ثابت ہے۔

ادھار کا جواز اور اسپر آنحضرت کا عمل احادیث ذیل سے ثابت ہے۔

عن ابن عباس قال قدم رسول اللہ صلعم المدینة وهم یسلفون بالتمر السنتین والثلث فقال رسول اللہ صلعم من سلف فی شیئ ففی کیل معلوم ووزن معلوم الی اجل معلوم ۔ (صحیح بخاری ص۲۹۰ مسلم ص۳۱)

وعن ابن عمر من اسلف فی شیئ فلا یاخذ الا ما اسلف فیه او راس ماله (رواه الدار قطنی نیل ص۲۵ ج ۵)

السلم نوع مخصوص من انواع البیع فلا یجوز ان یکون المالان موجلین لان ذلک هو بیع الکالی بالکالی وقد تقدم النهی منه فلا بد ان یکون

ایک حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت صلعم مدینہ میں تشریف لائے تو لوگ درختوں کے پھلوں کی سال بسال دو دو سال کے لئے بیع سلم کرتے تھے۔ آنحضرت نے فرمایا کہ جو کسی چیز کی بیع سلم کرے وہ اسکی میعاد اور وزن اور پیمانہ مقرر کر لے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص بیع سلم کرے وہ وہی چیز لے جو اس نے لینی کی تھی ورنہ اپنا مال واپس لے۔

ان حدیثوں میں حدیث تصریح ہے کہ اس بیع میں مال نقد دیا جاتا تھا۔ اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ بیع سلم میں مال نقد دینا چاہئے پھر دوسری جانب کا ادھار رہا تو اس سے ہمارا

© rasailojaraid.com

دعوے (جو مسئلہ سوم میں ہم نے کیا ہے) ثابت ہوا۔
قاضی محمد علی بن شوکانی علیہ الرحمۃ سے **بھول ہوئی** کہ انہوں نے بیع سلم میں مال کا دم نقد دیا جانا اور اسکے عوض کا ایک میعاد پر لیا جانا تسلیم کرکے کہا ہے۔ کہ مختلف اجناس کا پیمانہ مختلف ہو تب بھی انکی بیع میں ادھار جائز نہیں ہے۔

> راس المال مدفوعاً عند العقد وقد وقع الاتفاق علی انہ یشترط فیہ ما یشترط فی البیع وعلی تسلیم راس المال فی المجلس (الدراری المضیہ شرح الدرر البہیہ للشوکانی)

ایک حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت نے یہودی سے غلہ خریدا اور اسکی قیمت کا ادھار کیا۔ اور اسکے پاس اپنی زرہ کو رہن رکھ دیا۔
اس حدیث کی تاویل میں قاضی شوکانی نے کہا ہے کہ اس میں خاص رہن کی صورت کا حکم ہے جسمیں قیمت کے عوض میں رہن (مرہون) رکھا جاتا ہے۔ اسپر اس بیع کا قیاس نہیں ہو سکتا جسمیں بلا رہن ادھار ہو۔ اسکا جواب یہ ہے کہ مرہون قیمت کا عوض نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے۔ کہ مرتہن مرہون کی ذات میں کوئی تصرف نہیں کر سکتا اور اسکے منافع سے بھی بالاتفاق[1] فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ وہ صرف بمنزلہ کفالہ یا ضمانت کے ہوتا ہے کہ راہن قیمت ۔۔۔ منکر ہو جائے یا وہ میعاد پر ادا نہ کرے تو مرتہن بحکم قاضی یا حاکم وقت وغیرہ اسکو فروخت کرکے اپنی قیمت اس سے وصول کرے دم نقد و سر دست وہ رہن قیمت کا کام نہیں دیتا۔ اور اس نظر سے اسکا ہونا نہ ہونا

> عن عائشہ اشتریٰ رسول اللہ من یہودی طعاماً نسیۃ واعطاہ درعاً رہناً (مسلم جلد ۲ - وبخاری ص ۳۴۱)

---

[1] اسمیں اشارہ کہ رہن کے منافع سے مرتہن کو نفع اٹھانے میں اختلاف ہے یہ مسئلہ قسم اول (سود و قرض) کے مسائل میں مذکور ہوگا۔ انشاء اللہ تعالےٰ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

برابر ہے لہذا وہ ادھار جس میں رہن ہو اس ادھار کی مانند ہے جس میں رہن نہ ہو بناءً علیہ جو اس حدیث سے اُدھار ثابت ہوتا ہے۔ وہ بلا رہن ادھار کے جواز پر بھی دلیل ہو سکتا ہے۔

اس صورت (مسئلہ سوم) میں کمی وبیشی سے ربا لازم نہ آنے کی عقلی وجہ وہی ہے۔ جو صورت مسئلہ دوم میں کمی وبیشی سے ربا لازم نہ آنے کی وجہ بیان ہو چکی ہے۔ کیونکہ ان صورتوں میں ایک ہی قسم کا مبادلہ غیر جنس سے پایا جاتا ہے۔

اور اس صورت میں ادھار سے ربا لازم نہ آنے کی وجہ یہ ہے کہ اس صورت میں عوضین (مثلاً روپیہ اور غلہ) کا معیار (وزن یا پیمانہ) میں اتحاد نہیں ہے (جیسا کہ صورت دوم میں یہ اتحاد موجود ہے) لہذا یہاں اس حکمی باقی سے جو اُدھار کی صورت سے لازم آتی ہے کوئی مانع نہیں ہے (جیسا کہ صورت مسئلہ دوم میں وہ اتحاد مانع ہے)

بلکہ جس حالت میں یہاں عوضین کا معیار (وزن یا پیمانہ) میں اتحاد نہیں جیسا کہ جنس میں اتحاد نہیں تو ان کی ظاہری کمی بیشی پر سود یا زیادتی کا اطلاق ہی نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ ایک گھوڑے اور اسکے مول (سو روپیہ) سے کسی جانب پر کمی بیشی کا اطلاق ہی نہیں ہو سکتا۔

کیونکہ زیادتی مساوات کے بعد ہوتی ہے اور جبکہ ان دونوں عوضوں میں کسی وجہ سے مساواۃ نہیں ہے۔ تو اس پر زیادتی کب ہو سکتی ہے۔

قاضی شوکانی نے اس صورت کی عوضین میں مساواۃ اور ما سپر زیادتی ثابت کرنے کی غرض سے یہ کہا ہے کہ ممکن ہے کہ بعض اوقات اور بعض شہروں میں غلہ وزن کیا جائے یا چاندی پیمانہ سے ناپی جائے۔ اس صورت سے چاندی اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

غلہ میں مساوات اور اس مساواۃ پر زیادتی ممکن ہوتی اسکا جواب یہ جو حضرت امام ابو حنیفہ علیہ الرحمہ کے قول منقول ہدایہ سے مستفاد یہ ہے کہ کسی وقت اور کسی

> وکل شیئ نص رسول اللہ صلعم علی تحریم التفاضل فیہ کیلا فھو مکیل ابدًا ان ترک الناس الکیل فیہ مثل الحنطۃ والشعیر والتمر والملح وکل ما نص علی تحریم التفاضل فیہ وزنا وھو موزون ابدًا وان ترک الناس الوزن فیہ مثل الذھب والفضۃ لان النص اقوی من العرف والاقوی لا یترک بالادنٰی
>
> (ہدایہ ص ۶۴)

شہر کا رواج آنحضرت کے اس حکم کو جسمیں چاندی کا موزون ہونا اور غلہ کا ناپا جانا مقرر ہو چکا ہے بدل نہیں سکتا۔ لہذا غلہ کا وزن کیا جانا (جسکو ہماری یا رہند میں اکثر رواج ہو گیا ہے) اور چاندی کا پیمانہ سے ناپا جانا شرعًا معتبر نہیں۔ اور اس رواج خلاف نص سے چاندی اور غلہ میں مساواۃ اور اس مساواۃ پر زیادتی شرعًا ممکن نہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ نے اس مبادلہ میں صرف ایک جانب کے نقد ہوسے جانی کی وجہ عقلی بیان کی ہے (جو حاشیہ ص ۲۰۴ کی عربی عبارت میں نقل ہو چکی ہے) کہ جب ایک جانب میں نقدی ہو اور دوسری جانب میں طعام وغیرہ ناپنے کی چیزیں۔ تو نقد ان کے حاصل کرنے کا ایک ذریعہ ہوتا ہے اور یہی اسکے نقد ہونے کا لازمہ ہے لہذا اس کا حق یہی ہے۔ کہ وہ اس چیز کے حاصل ہونے سے پہلے خرچ کی جائے یعنے اس چیز کے مالک کو پہلے دیجاوے اس سے بھی ثابت ہے کہ نقدی اور غلہ میں مساواۃ نہیں ہوتی لہذا ان کی ظاہری کمی بیشی کو حقیقتہً ہو خواہ حکمًا۔ بلا عوض زیادتی یا ربا نہیں کہا جا سکتا۔ اسکو ربا تب کہا جاتا جبکہ دونو کا رتبہ برابر ہوتا وصہندا نمیں حقیقی یا حکمی کمی وبیشی کا تحقق ہوتا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس مسئلہ سوم میں مجتہدین و علماء سلف کا اتفاق چلا آیا ہے۔ قاضی شوکانی نے در صورت اختلاف جنس و اختلاف معیار (وزن و پیمانہ) دست بدست مبادلہ کی شرط لگانے سے ان سب کا خلاف کیا۔ جو کسی دلیل یا عذر قوی پر مبنی نہیں ہے۔

(۴)

مسئلہ

ہم جنس اشیاء کے مختلف اقسام (جیسے کھوٹی اور کھری چاندی۔ یا سفید اور لال گیہوں۔ یا اچھی اور بری کھجوریں شرعاً سب ایک جنس سمجھی جاتی ہیں جنکے مبادلہ میں کمی و بیشی سے ربا ثابت ہوتا ہے۔

ایسی ہی ہم جنس اشیاء کی کئی مختلف صورتیں (مثلاً ایک چاندی روپیہ کی صورت میں ہے۔ دوسرے زیور کی صورت میں صرف چاندی کا ہو یا اس میں کچھ اور جڑا ملا ہوا ہو) سب ایک جنس ہیں جن میں کمی و بیشی کرنے سے ربا ثابت ہوتا ہے۔

---

۵ چنانچہ امام نووی شرح صحیح مسلم میں فرماتے ہیں۔ اجمع العلماء علی جواز بیع الربوی بربوی لا یشارکہ فی العلۃ متفاضلا و موجلا و ذلک کبیع الذھب بالحنطۃ و بیع الفضۃ بالشعیر وغیرہ من المکیل و اجمعوا علی انہ لا یجوز بیع الربوی بجنسہ و احدھما موجل و علی انہ لا یجوز التفاضل اذا بیع بجنسہ حالا کالذھب بالذھب و علی انہ لا یجوز التفرق قبل التقابض اذا باعہ بجنسہ او بغیر جنسہ مما یشارکہ فی العلۃ کالذھب بالفضۃ والحنطۃ بالشعیر و علی انہ یجوز التفاضل عند اختلاف الجنس اذا کان یدا بید کصاع حنطۃ بصاعی شعیر ولا اختلاف بین العلماء فی شیء من ھذا (شرح مسلم ص ۲۵)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وازانجا کہ ان مختلف قسموں اور مختلف صورتوں کی مالیت واوصاف میں فرق ہے۔ بنابرآں علیہ یہ حکم قرین انصاف نہ تھا کہ کھری اور کھوٹی اور نقدی اور صنعت کو ایک ہی سمجھو اور ایک کو دوسرے سے برابر وزن سے فروخت کرو اور تفاوت وزن کی اجازت سے یہ خوف تھا۔ کہ لوگ اونے تفاوت کے بہانہ سے ہمجنس اشیاء کے مبادلہ میں کمی وبیشی کر لیتے۔ لہذا شارع رحیم حکیم نے اس قسم کی چیزوں کے مبادلہ میں یہ حکم دیا ہے کہ ازانجملہ ایک چیز کو غیر جنس سے فروخت کیا جائے پھر اس کی قیمت سے دوسری چیز کو خرید کیا جائے۔ جس میں تفاوت صنعت و مالیت کا لحاظ بھی رہا۔ اور سود کا دروازہ بھی بند رہا۔ ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ آنحضرت نے ایک شخص کو خیبر میں حاکم بنا کر بھیجا۔ وہ وہاں سے عمدہ کھجوریں لایا۔ تب آنحضرت نے دریافت کیا کہ خیبر میں سبھی کھجوریں ایسی ہوتی ہیں وہ بولا ہم ایسی کھجوروں کا ایک صاع (پیمانہ کا نام ہے) ملی جلی کھجوروں کے دو صاع سے اور اسکے دو صاع سے اسکے تین صاع خرید کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا آہا تو یہ عین ربا ہے تم ملی جلی کھجوریں دراہم سے فروخت کر کے انکی قیمت سے یہ عمدہ خرید لیا کرو۔

عن ابی سعید الخدری ان رسول الله صلعم استعمل رجلا علی خیبر فجاءهم بتمر جنیب فقال اکل تمر خیبر هکذا قال انا لناخذ الصاع من هذا بالصاعین والصاعین بالثلثة فقال لا تفعل بع الجمع بالدراهم ثم ابتع بالدراهم جنیبا رواه البخاری ص۲۹۳ ونحوه فی مسلم ص۲۲ وفیه اوه عین الربا۔

اور فضالہ سے روایت ہے کہ میں نے جنگ خیبر کے دن ایک سونے کا ہار بارہ دینار کو خریدا جس میں کچھ پتھر وغیرہ کے دانے بھی تھے۔ جب میں نے

وعن فضالة قال اشتریت یوم خیبر قلادة باثنی عشر دینارا فیها ذهب وخرز ففصلتها فوجدت فیها اکثر من اثنی عشر دینارا فذکرت ذلک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انکو جدا کیا تو بارہ دینار سے زیادہ اسمیں سونا پایا۔ پھر میں نے اسکا ذکر آنحضرت صلعم سے کیا تو آپ نے فرمایا ایسی چیز نہ خریدی جائے جب تک جدا نہ کیجائے۔

للنبی صلعم فقال لا تباع حتی تفصل (مسلم صفحہ)

یہ جدا کرنے کا حکم اس صورت میں ہے کہ زیور کو اسکی جنس سے خریدیں اور اگر اس کو غیر جنس سے خرید کریں (مثلاً چاندی کا زیور سونے سے اور سونے کا روپیہ سے) تو اُس علیحدگی کی حاجت نہیں ہے۔ اس کا غیر جنس سے خرید کرنا ہی ربا سے بچا دیتا ہے۔

ہمارے ملک ہندوستان میں جو چاندی کے زیورات روپیہ سے خریدے جاتے ہیں یا ایک سکہ کا روپیہ دوسرے سکہ سے بدلا جاتا ہے اس میں کمی بیشی کرنے سے ربا کا لین دین ہوتا ہے۔ اور اگر چاندی کے زیور کو اسکا واجبی نرخ و قیمت سمجھ کر سونے سے خرید کریں۔ اور پھر اُس سونے کو روپیہ سے خرید لیں یا پہلے خریدار کے ہاتھ اسقدر روپیہ کے بدلے جو انکو واجبی حساب سے ایا آتا ہے سونا فروخت کر دیں۔ پھر اس زیور کے عوض میں وہ سونا اس سے لے لیں جیسا کہ مکہ مکرمہ میں (زادہا اللہ شرفا و مکرمۃ) ہم نے تبدیل ریال کے وقت دیکھا تھا تو اس مسئلہ کا پورا عمل ہو۔ اور سود کے لین دین سے لوگ بچ جائیں ایسا ہی روپیہ کے مبادلہ میں سونے سے کام نکل سکتا ہے۔

ان چہارگانہ مسائل اور ان کی دلائل سے قسم دوم سود (سود بیع) کے متعلق بہت سے مسائل حل ہو سکتے ہیں۔ جنمیں بعض اتفاقی ہیں بعض اختلافی۔

منجملہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

منجملہ مسائل اتفاقیہ ایک یہ

(۵)

مسئلہ

ہے کہ درخت سے ٹوٹی ہوئی کھجوروں کا ان کھجوروں سے جو درخت پر ہوں یا کھجوروں کے اس ڈھیر سے جس کا مقدار معلوم نہ ہو مبادلہ جائز نہیں ہے کیونکہ ان صورتوں میں دونوں جانب کی مساواۃ معلوم نہیں ہوتی۔

اس مبادلہ سے علاوہ عموم دلائل مسائل سابقہ خاص کر وہ حدیث بھی مانع ہے جو صفحہ (۱۶۰) میں گذر چکی۔ جس میں ارشاد ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کھجوروں کو پھل کے ساتھ فروخت کرنے سے منع کیا ہے۔ اور وہ حدیث جس میں کھجور کو اس کے ڈھیر سے بیع کرنے سے منع کیا ہے۔

> عن جابر قال نھی رسول اللہ صلعم عن بیع الصبرۃ من التمر لا یعلم کیلھا بالکیل المسمی (رواہ مسلم ص۸)

(۶)

واز انجملہ یہ

مسئلہ

کہ ایک حیوان کا دو حیوان سے دست بدست مبادلہ جائز ہے کیونکہ وہ وزن اور پیمانہ میں نہیں آتے۔ اس لئے نہ ان میں مساوات ہو سکتی ہے نہ اسپر زیادتی ممکن ہے۔ اس مبادلہ کے جواز پر علاوہ دلائل مسائل سابق ایک یہ حدیث بھی دلیل ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے صفیہ کو سات کنیز کے بدلے دحیہ کلبی سے (جسکے حصہ میں وہ آئی تھیں) خرید کیا۔

> عن انس النبی صلعم اشتری صفیہ بسبعۃ ارؤس من دحیۃ الکلبی (مسلم و نیل ص۶۵ ج۵)
>
> عن جابر قال جاء عبد فبایع النبی صلعم علی الھجرۃ ولم یشعر انہ عبد فجاء سیدہ

© rasailojaraid.com

بیدیہ، فقال لہ النبی صلعم بعینہ واشتراہ بعبدین اسودین (مسلم ص ۳۰ ج ۲)	اور ایک یہ حدیث کہ آنحضرت صلعم نے ایک غلام کو دو غلام دیکر خریدا۔

اور منجملہ مسائل اختلافی ایک یہ

(۷)

مسئلہ۔

ہے کہ تازہ کھجوروں کا خشک کھجوروں سے برابر کا برابر مبادلہ جائز ہے۔ جس کے امام ابو حنیفہ علیہ الرحمہ قائل ہیں۔ اور امام شافعی علیہ الرحمہ اس خیال سے کہ تازہ کھجور خشک ہو کر کم ہو جاتی ہیں۔ اس (مبادلہ) کو ناجائز سمجھتے ہیں۔

ہمارے گروہ اہل حدیث کے عوام بلکہ بعض خواص چونکہ امام ابو حنیفہ پر مخالفت نصوص کا گمان رکھتے ہیں۔ اور بناءً علیہ جس مسئلہ میں امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کا اختلاف پاتے ہیں۔ اس میں امام شافعی کی تقلید یا متابعت اختیار کرتے ہیں۔ اور ابو حنیفہ کی مخالفت کو اتباع سنت اور عمل بالحدیث کا لازمہ خیال کرتے ہیں لہذا ظن غالب ہے کہ وہ اس مسئلہ میں امام شافعی کا امام ابو حنیفہ سے اختلاف سنکر اس باب میں مذہب شافعی کو موافق سنت سمجھینگے۔ اور مذہب امام حنیفہ کو اس کا مخالف لہذا ہم اُن لوگوں کی بدگمانی رفع کرنے اور ان کو مذہب صواب کے ہدایت کرنے کی غرض سے اس مسئلہ میں دونوں مذہب کے دلائل بیان کر کے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اس باب میں امام ابو حنیفہ کا مذہب سنت صحیحہ اتفاقیہ کے موافق ہے۔

امام شافعی اپنے مذہب کی دلیل حدیث پیش کرتے ہیں جس میں بیان ہے کہ

عن سعد بن ابی وقاص قال سمعت النبی صلعم یسئل عن اشتراء التمر بالرطب فقال لمن حولہ اینقص الرطب اذا یبس قالوا نعم	آپ کسی نے تازہ کھجوروں سے خشک کھجوروں کو خرید کرنے کا حال دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کیا تازہ کھجوریں خشک ہو کر کم ہو جاتی ہیں۔

© rasailojaraid.com

فنهى عن ذلك (ترمذی وغیرہ)

تو انہوں نے عرض کیا کہ ہاں یا رسول اللہ تیمر

آپ نے اس مبادلہ سے منع کر دیا

امام ابو حنیفہ اس حدیث کو ضعیف قرار دیتے ہیں (جس میں ابن حزم جیسے
آئمہ محدثین انکے ساتھ ہیں) اور اس مبادلہ
کے جواز پر وہ اس اتفاقی صحیح حدیث سے
تمسک کرتے ہیں جس میں ارشاد ہوا ہے کہ کھجور کا
مبادلہ کھجور سے برابر ہو۔ اور جب جنسین مختلف
اقسام ہوں تو جیسا چاہو کمی زیادتی سے
مبادلہ کرو۔ آپ فرماتے ہیں تازہ کھجور اور
خشک ایک جنس ہیں تو اس حدیث کا پہلا فقرہ
ہمارے مذہب کی دلیل ہے اگر وہ دو مختلف
قسم ہیں تو ہمارے مذہب کی دلیل اس حدیث کا
آخری فقرہ ہے۔

اس بیان سے ثابت
ہے کہ امام شافعی کی متمسک بہ
حدیث کا ضعف بالاتفاق تسلیم
نہ بھی ہو۔ تو اس کا مختلف فیہ ہونا
محل کلام نہیں۔ اور وہ حدیث
جس سے امام ابو حنیفہ کا تمسک ہے
بالاتفاق صحیح ہے۔ لہذا
ان کا مذہب سنت صحیحہ

حديث سعد اخرجه ابن خزيمة وابن
حبان والحاكم وصححوه وصححه ايضا ابن
المديني واخرجه الدارقطني والبيهقي
وقد اعله جماعة منهم الطحاوي والطبري
وابن حزم وعبد الحق بان في اسناده زيدا
ابا عياش وهو مجهول قال في التلخيص
والجواب ان الدارقطني قال انه ثقة
ثبت قال المنذري وقد روى عنه ثقات
واعتمده مالك مع شدة نقده۔ و
قال الحاكم لا اعلم احدا طعن فيه —
(نیل ص۶ ج ۵)

وله ان الرطب تمر لقوله عليه السلام حين
اهدي اليه رطبا او كل تمر خيبر هكذا
فسماه تمرا وبيع التمر بمثله جائز لما روينا۔ و
لانه لو كان تمرا جاز البيع لاول الحديث
وان كان غير تمر فباخره وهو قول النبي
عليه السلام اذا اختلف النوعان
فبيعوا كيف شئتم ومدار ما رويناه

© rasailojaraid.com

علی زید بن عیاش وھو ضعیف النقل (ہدایہ ج ۳)

اتفاقیہ مطابق ہوا۔

از انجملہ ایک یہ

(۸)

مسئلہ

ہے کہ ایک حیوان کا اسکے ہم جنس ایک یا دو حیوانوں سے مبادلہ جس میں ایک جانب کا ادھار ہو جائز نہیں ہے۔ امام ابوحنیفہ اس (عدم جواز) کے قائل ہیں۔ اور امام شافعی اس مبادلہ کو جائز رکھتے ہیں۔

اس باب میں جانبین کے نقلی دلائل (حدیث و آثار) محل کلام و اختلاف ہیں۔

عن عبد الله بن عمرو قال قال لی رسول الله صلعم ابتع علینا ابلاً بقلائص من ابل الصدقة قال وکنت ابتاع البعیر بقلوصین وثلاث قلائص من ابل الصدقة حتی نفدت ذلک البعث فلما جاءت ابل الصدقة اداھا رسول الله صلعم۔ رواہ احمد وابوداؤد۔

وعن الحسن عن سمرة قال نھی النبی صلعم عن بیع الحیوان نسیئة رواہ الخمسة والترمذی۔ وروی عبد الله بن احمد مثلہ من روایة جابر بن سمرة (منتقی)

حدیث ابن عمرو فی اسنادہ محمد بن اسحاق وفیہ مقال معروف وقوی الحافظ فی الفتح اسنادہ۔ وقال الخطابی فی اسنادہ

امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ سمرہ کی حدیث ہے کہ آنحضرت نے حیوان سے حیوان کا مبادلہ در صورت ادھار ممنوع قرار دیا ہے

امام شافعی کی دلیل یہ عبد اللہ بن عمرو کی حدیث ہے کہ انہوں نے آنحضرت کے حکم سے تیاری سامان جنگ کے لئے اونٹ ایک کے بدلے دو اور تین یا تگرا ادھار خرید کئے پھر جب زکوۃ کے اونٹ آئے تو آنحضرت نے وہ ادا کئے۔

سمرہ کی حدیث کو ترمذی اور ابن الجارود نے صحیح کہا ہے۔ مگر امام شافعی نے اسکو غیر ثابت قرار دیا ہے۔ اور عبد اللہ بن عمرو کی حدیث کو شیخ ابن حجر نے قوی بتایا ہے مگر امام خطابی نے اسمیں گفتگو کی ہے۔ اسی قسم کی گفتگو ان احادیث کی دوسری سندوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فقال وتعد من اجل محمد بن اسحٰق
ولكن قد رواه البيهقي في سننه من طريق عمرو بن
شعيب عن ابيه عن جده الخ وحديث سمرة صححه
ابن الجارود ورجاله ثقات كما قال في الفتح
الا انه اختلف في سماع الحسن من سمرة ـ
وقال الشافعي هو غير ثابت وحديث جابر بن سمرة عزاه
صاحب الفتح الى زيادات المسند لعبد الله بن احمد كما
نقل المصنف وسكت عنه وفي الباب عن ابن عباس عند البزار
والطحاوي وابن حبان والدارقطني بنحو حديث سمرة
قال في الفتح رجاله ثقات الا انه اختلف في وصله
وارساله الخ والاحاديث والآثار المذكورة في الباب
متعارضة كما ترى وقد ذهب الجمهور الى جواز بيع الحيوان
بالحيوان نسيئة متفاضلا مطلقا وشرط مالك ان
يختلف الجنس ومنع من ذلك مطلقا مع النسيئة
احمد بن حنبل وابو حنيفة وغيره الخ فلا شك ان احاديث
النهي وان كان كل واحد منها لا يخلو عن مقال لكنها
يثبت من طريق ثلثة من الصحابة سمرة وجابر وابن عباس و
بعضها يقوي بعضا فهي ارجح من حديث واحد غير
خال عن المقال وهو حديث عبد الله بن عمرو
ولا سيما وقد صحح الترمذي وابن الجارود
حديث سمرة ـ فان ذلك مرجح آخر ـ وايضا

موید ات میں ہے
قاضی محمد بن علی شوکانی
نے اس باب میں امام ابوحنیفہ کی
نقلی دلائل کو ترجیح دی ہے چنانچہ
فرمایا ہے۔ کہ ممانعت مبادلہ کی حدیثیں
اگرچہ گفتگو سے خالی نہیں مگر وہ تین اصحاب
سمرہ۔ جابر۔ وابن عباس کے طریق سے
مروی ہیں جن میں ایک دوسرے کی تائید
کرتا ہے۔ لہذا وہ اس اکیلی حدیث
عبداللہ بن عمرو پر ترجیح رکھتے ہیں۔ کہ
وہ بھی گفتگو سے خالی نہیں۔ دوسری
وجہ ترجیح یہ کہ ترمذی اور ابن جارود
نے حدیث سمرہ کو صحیح کہا ہے۔ تیسری
وجہ ترجیح یہ کہ احادیث ممانعت حرمت
کی دلیل ہیں۔ اور حرمت کو اباحت
پر ترجیح ہے۔ اس باب میں جو شافعی
آثار پیش کرتے ہیں وہ لائق سند نہیں ہیں
خصوصاً ایسی حالت میں کہ وہ آپس میں
مختلف ہیں۔

**اور امام ابوحنیفہ کی عقلی
دلیل** (جو حاشیہ عربی صفحہ (۲۰۷)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قد تقرر فی الاصول ان دلیل التحریم راجح من دلیل الاباحۃ وھذا ایضاً مرجح ثالث واما الآثار الواردۃ عن الصحابۃ فلا حجۃ فیھا وعلی فرض ذلک فھی مختلفۃ۔
دلیل صفحہ ۶۶، ۶۷ و ۶۸ (ج ۵)

میں بیان ہوئی ہے) اس مسئلہ کے ثبوت کے لیے کافی دلیل ہے۔ وہ یہ کہ جنس کا اتحاد تنہا بھی ہو۔ یعنی اسکے ساتھ وزن اور پیمانہ میں اتحاد نہ ہو) تو وہ صورت ادھار میں ربا کا مثبت ہوتا ہے۔
اسی قسم کے اور مسائل اتفاقی و اختلافی مسائل اربعہ اور انکے دلائل سے حل ہو سکتے ہیں جنکی تفصیل میں تطویل ہے۔

(۹)

مسئلہ

کرنسی نوٹ[۱] مروجہ زمانہ حال کا مبادلہ اپنے ہم جنس (نوٹ) سے برابر کا برابر اور دست بدست ہونا چاہیے۔ روپیہ سے مبادلہ ہو تو اسمیں بھی یہ شرط ملحوظ رکھنا واجب ہے۔ اور در صورت کمی بیشی اور ادھار ایک جانب کے ربا لازم آتا ہے۔

اس مسئلہ میں صاحب شریعت سے صاف و صریح کوئی حکم مروی نہیں ہے۔ بلکہ ایمہ مجتہدین کے کلام میں بھی اس مسئلہ کا ذکر صریح پایا نہیں جاتا کیونکہ نوٹ نہ آنحضرت کے عہد سعادت عہد میں پایا گیا ہے۔ نہ ایمہ مجتہدین کے وقت میں۔ اس مسئلہ کے ثبوت میں جو کچھ ہم پیش کرینگے یا کوئی اور اہل علم پیش کر سکتا ہے وہ فقہا ہی کے اصول و مسائل سے (جو نصوص سے مستنبط ہیں) مستفاد و مستنبط ہوگا۔ جو اسکو صحیح اور کافی سمجھے وہ اسکو شرف قبول بخشے۔ اور جو اس سے بہتر ثبوت پیش کر سکے وہ پیش کرے

(۱) کرنسی نوٹ وہ کاغذ ہے جو سرکار کی طرف سے جاری ہوتا ہے۔ اور بمنزلہ سکہ چلتا ہے (شرح ایکٹ اسٹامپ نمبر ۲ ۱۸۹۹ء صفحہ ۱۳۱ مطبوعہ نول کشور) کرنسی ہونے کی قید اس غرض سے لگائی ہے کہ گورنمنٹ پرامیسری نوٹ سے (جو قرضہ کی دستاویز ہے) احتراز ہو۔ اسکا حکم اور بہت مسائل متعلقہ سود قسم اول میں بیان ہوگا انشاء اللہ تعالیٰ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہم بکمال ممنونیت کے ساتھ اسکو قبول کرنے کے لئے مستعد ہیں - اگر اسکو اپنے پیش کردہ ثبوت سے بہتر سمجھینگے -

نوٹ کے اس حکم کا (جو ہم نے بیان کیا ہے) ثبوت ایک تمہید پر موقوف ہے - جو ذیل میں معروض ہے -

تمہید

فقہا حنیفہ نے (رحمہم اللہ ورزقنا من تفقہم فی الدین) کہا ہے (چنانچہ یہاں شرح مواہب الرحمن میں مبسوط سے نقل کیا ہے) کہ مال تین قسم ہے - ایک قسم وہ جو بہر حال ثمن (دام) کہلاتا ہے - یہ درہم دینار ہیں مبادلہ کے وقت انکے نام پر حرف (ب) آوے - (اور یوں کہا جاتا ہے "بعت ہذا الشئی" یعنی فلاں چیز کو ہم نے درہم یا دینار کے بدلے فروخت کیا ہے - اس حرف (ب) کی جگہ ہندی محاورہ میں لفظ "سے" یا "بدلہ" استعمال کیا جاتا ہے) خواہ نہ آوے اور اسکے مقابلہ میں جو چیز لی یا دی جائے وہ اسکی جنس سے ہو (جیسے درہم کے مقابلہ میں درہم) یا نہو (جیسے درہم کے مقابلہ میں گیہوں)

فی المبسوط الاموال ثلثۃ انواع - نوع ثمن علی کل حال وھو الدراھم والدنانیر صحبہا حرف الباء اولا - کان ماقابلہا من جنسہا اولا - ونوع مبیع علی کل حال وھو مالیس من ذوات الامثال کالعروض والثیاب والدواب والممالیک ونوع مبیع من وجہ کالمکیل والموزون فان کان متعینا فی العقد کان مبیعا وان لم یکن متعینا فیدو صحبہ حرف الباء وقابلہ مبیع فہو ثمن و فی شرح الوافی ونوع ثمن بالاصطلاح وھو سلعۃ فی الاصل کالفلوس فان کان رائجا کان ثمنا وان کان کاسدا کان سلعۃ وھذا الان

اور ایک قسم وہ ہے جو بہر حال بیچنے کی چیز ہے وہ ایسی چیزیں ہیں جو ایک دوسرے کی مانند نہیں ہوتی بلکہ باخود ہا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الثمن عند العرب ما یکون دینا فی الذمۃ کذا قال الفراء والنقود لا تستحق بالعقد الا دینا فی الذمۃ فکانت ثمنا فی کل حال والعروض لا تستحق بالعقد الا عینا فکانت مبیعۃ والمکیل الموزون تستحق عینا فی العقد تارۃ ودینا اخری فکانت ثمنا فی حال مبیعا فی حال ومن حکم الثمن ان لا یشترط وجودہ فی ملک العاقد عند العقد ولا یبطل العقد بفوات تسلیمہ ویصح الاستبدال بہ وحکم البیع بخلافہ

(برہان شرح مواہب الرحمٰن)

متفاوت ہوتی ہیں جیسے کپڑا جانور غلام وغیرہ اسباب۔

ایک قسم وہ ہے جو بعض صور تو میں دام کہلاتا ہے بعض صور تو میں نہیں جیسے وزنی یا ناپی گئی چیزیں۔

یہ چیزیں اگر عقد مبادلہ کے وقت تعیین کے ساتھ مقرر کیجائیں اور یوں کہا جائے کہ خاص یہ چاندی یا گیہوں ہم لیتے یا دیتے ہیں تو یہ بیچنے کی چیزیں کہلا ئینگی نہ دام۔ اور اگر عقد مبادلہ میں انکی تعیین نہ ہو بلکہ تعیین انکے مقابل چیز کی ہو اور اسپر حرف (ب) لایا جاوے اور یوں کہا جاوے کہ اسقدر چاندی یا گیہوں کے بدلے ہم فلاں خاص چیز کو خریدتے یا بیچتے ہیں تو یہ دام کہلا ئینگے۔

اور **وافی کی شرح کافی** میں ہے کہ مال کا ایک قسم وہ ہے جو درصل ایک متاع ہوتی ہے۔ مگر اصطلاح (ایک قوم کی قرار داد) میں وہ دام کہلاتا ہے جیسے پیسے ہیں۔ یہ رائج الوقت ہوں تو دام کہلاتے ہیں۔ اور اگر کھوٹے ہوں اور ان کا چلن نہ ہو تو یہ ایک متاع کہلاتے ہیں۔ یہ اسلئے کہ ثمن عرب کی بول چال میں وہ ہے جو خریدار کے ذمہ پر ایک قرض ہو جائے ایسا ہی فرا نے (نحو و لغت کا امام ہے) بیان کیا ہے۔ **لہذا نقدی (روپیہ پیسہ اشرفی) ثمن کہلا ئینگے کیونکہ مبادلہ کے** وقت یہ نقدی خریدار کے ذمہ واجب سمجھی جاتی ہے۔ وہ بوقت ادا جو نسا روپیہ یا پیسہ یا اشرفی چاہے بائع کو دے سکتا ہے۔ اسمیں کسی خاص اور معین روپیہ یا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اشرفی یا پیسہ کی قید نہیں ہوتی - اور پارچات وغیرہ اسباب بیچنے کی چیزیں کہلاتی ہیں کیونکہ ان کے مبادلہ میں خاصکر وہی کپڑا یا اسباب واجب الادا سمجھا جاتا ہے جو بوقت مبادلہ لینا مقرر کیا گیا ہو - اور وزنی اور ناپنے کی چیزیں (مثلاً چاندی اور گیہوں) کبھی تو خصوصیت کے ساتھ لینی مقرر کیجاتی ہیں اور یوں کہا جاتا ہے کہ یہ چاندی اور یہ گیہوں ہم نے دس دینار کو خرید کئے - اُسوقت یہ فروخت کی چیزیں کہلائینگی - اور کبھی خصوصیت کے ساتھ انکا لینا مقرر نہیں کیا جاتا - بلکہ خصوصیت کا محل انکے مقابل چیز کو ٹھہرایا جاتا ہے اور یوں کہا جاتا ہے کہ فلاں چیز خاص (کتاب یا کپڑا) کو ہم نے دو تولہ چاندی یا دس سیر گیہوں کے بدلے خرید کیا - اُسوقت یہ چیزیں ثمن یا دام کہلائینگی -

جو چیز ثمن کہلاتی ہے اسکے تین حکم (یا لوازم یا خواص) ہیں (۱) یہ مبادلہ کے وقت اسکا خریدار کے ملک میں سردست موجود ہونا شرط نہیں ہوتا (۲) وہ اسکو مشتری کے حوالہ نہ کر سکے تو بھی عقد مبادلہ باطل نہیں ہوتا (۳) وہ اسکے بدلے کوئی اور چیز بھی دے سکتا ہے اور بیچنے کی چیز میں یہ تینوں حکم نہیں پائے جاتے (۱) مبادلہ کے وقت فروختنی چیز کا ملک بائع میں ہونا شرط ہے[۱] (۲) وہ خریدار کو نہ دے سکے تو عقد باطل ہوگا (۳) وہ اسکو جبتک خریدار کے حوالہ نہ کر دے اسکو دوسری چیز سے بدل نہیں سکتا ؎

اس بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ ثمن وہ کہلاتا ہے جو مشتری کے ذمہ واجب ہو اسمیں یہ تعیین نہیں ہوتی کہ کوئی خاص درہم یا دینار یا پیسہ لیا جائیگا - اور فروخت شدہ چیز خصوصیت کے ساتھ مقرر ہوتی ہے اور وہی خاصکر بائع سے لیجاتی ہے اسکی جگہ وہ کوئی دوسری چیز دے تو نہیں لیجاتی - مثلاً علیہ درہم دینار روپیہ

[۱] بیع سلم جسکا حکم صفحہ (۲۰۹) میں ہے اس حکم سے مستثنی ہے ۱۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اشرفی بہرحال ثمن کہلاتے ہیں کیونکہ وہ مبادلہ میں کبھی متعین نہیں ہوتے اور تجارت وغیرہ اسباب جو وزن و پیمانہ میں نہیں آتا ہمیشہ فروختنی چیزیں کہلاتی ہیں کیونکہ وہ خصوصیت کے ساتھ لیجاتی ہیں۔ اور وزنی اور ناپنے کی چیزیں خصوصیت کے ساتھ مطلوب ہوں (جیسے یہ چاندی اور وہ گیہوں) تو وہ فروخت کی چیزیں کہلاتی ہیں۔ اور اگر وہ بالتخصیص نیجاویں اور خصوصیت صرف اُن چیزوں میں مطلوب ہو جو انکے بدلے لیجاویں تو یہ ثمن کہلاتی ہیں۔ اور ثمن اور فروختنی چیزیں تین احکام میں مختلف ہیں (۱) اول کا بوقت عقد ملک عاقد میں موجود ہونا شرط نہیں دوم کا شرط[۱] ہے (۲) اول کا تسلیم نہ کرنا مبطل عقد نہیں۔ دوم کا مبطل ہے۔ (۳) اول کا مبادلہ قبل تسلیم جائز ہے دوم کا جائز نہیں۔ اس اختلاف احکام ثمن و فروختنی چیز پر احادیث ذیل شاہد ہیں۔

عن حکیم بن حزام قال قلت یا رسول اللہ یاتینی الرجل یرید منی البیع ولیس عندی فابتاع له من السوق فقال لا تبع ما لیس عندک (نسائی و ابی داود)

وعنه قال قلت یا رسول اللہ انی اشتری بیوعا فما یحل لی منها وما یحرم قال اذا اشتریت شیئا فلا تبعه حتی تقبضه رواہ احمد (منتقی)

وعن ابن عباس ان النبی صلعم قال من

حکیم بن حزام سے روایت ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلعم سے پوچھا کہ میرے پاس خریدار کوئی چیز خریدنے کو آتا ہے وہ چیز میرے پاس نہیں ہوتی میں اسکو بازار سے خرید کر دیدیتا ہوں آپنے فرمایا جو تیرے پاس نہو اُسکو فروخت نکر۔

اُسی سے روایت ہے کہ میں نے آنحضرت کی خدمت میں عرض کیا کہ میں خرید و فروخت کیا کرتا ہوں میرے لئے کونسی بیع حلال ہے کونسی حرام تو آپنے فرمایا جب کوئی چیز تو خریدے تو جبتک اُسپر تیرا قبضہ نہوجائے اُسے دوسرے

[۱] بیع سلم اس حکم سے مستثنی ہے۔ چنانچہ صفحہ (۲۰۹) میں مذکور ہے ۱۲

© rasailojaraid.com

ابتاع طعاماً فلا يبعه حتى يستوفيه قال ابن عباس ولا احسب كل شيء الا مثله -

(بخاری ص ۲۸۶)

وعن ابن عمر قال اتيت النبي صلعم فقلت انی ابيع الابل بالبقيع بالدنانير واخذ الدراهم وابيع بالدراهم واخذ الدنانير فقال لا بأس ان تأخذ بسعر يومها ما لم تتفرقا وبينكما شيء رواه الخمسة -

(منتقی ص ۱۶)

قال فی المنتقی وفيه دليل على جواز التصرف فی الثمن قبل قبضه قال فی شرح نیل الاوطار قوله لا بأس فيه دليل على جواز الاستبدال عن الثمن الذی فی الذمة بغيره وظاهره انهما غير حاضرين جميعاً بل الحاضر احدهما وهو غير اللازم فيدل على ان ما فی الذمة كالحاضر

(نیل ص ۱۷۰ ج ۵)

کے ہاتھ فروخت نہ کرے

ایسا ہی ابن عباس نے آنحضرت سے غلہ کا حکم نقل کیا ہے پھر خود فرمایا کہ میں ہر چیز کو ایسا ہی سمجھتا ہوں -

اور ابن عمر سے حدیث ہے کہ میں نے آنحضرت کے پاس عرض کیا کہ بقیع میں ہموں سے اونٹ بیچتا ہوں اور انکے بدلے دینار لیتا ہوں اور دیناروں سے بیچتا ہوں تو انکے بدلے درہم لیتا ہوں آپ نے فرمایا کہ نرخ کے مطابق ہو تو کوئی ڈر نہیں بشرطیکہ تم جدا نہ ہو جبتک کہ تم میں لین دین نہ ہو چکے

ان احادیث میں سے پہلی حدیث سے معلوم ہوتا ہے فروختنی چیز کا عقد بیع کے وقت بائع کے ملک میں موجود ہونا شرط بیع ہے - اور دراہم کی نسبت یہ حکم نہیں آیا بلکہ اسکے ادھار کرنا ثابت ہو چکا ہے -

دوسری اور تیسری حدیث سے ثابت ہے کہ فروختنی چیز کی بیع ہو جائے تو مشتری کو اسکا قبضہ کر لینے سے پہلے دوسرے کے ہاتھ اسکا فروخت کرنا جائز نہیں ہے - اور چوتھی حدیث سے ثابت ہے کہ ثمن میں تصرف جائز ہے - وہ بائع کے ہاتھ نہ بیچے تو بھی اسکے بدلے دوسری چیز لے لینا اسکے لئے حلال ہے - اور اس سے یہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بیچ ثابت ہو کہ ثمن مشتری کے ذمہ پر دین ہوتا ہے اور اسمیں کوئی خصوصیت نہیں ہوتی جیسے کہ فروخت شدہ چیزیں ہوتی ہے۔ ایسا ہی منتقی اور اسکی شرح میں ان احادیث سے استنباط کیا ہے۔

عبارت کافی شرح وافی میں جمع فلوس کو درصورت انکے چلن و رواج کے اصطلاحی ثمن اور درصورت موقوف ہوجانے انکے چلن کے ایک فروختنی چیز قرار دیا ہے ایسا ہی ہدایہ میں اختیار کیا ہے۔ چنانچہ کہا ہے

ویجوز البیع بالفلوس لانہ مال معلوم۔ فان کانت نافقۃ جاز البیع بہا۔ وان لم تعین لانہا اثمان بالاصطلاح وان کانت کاسدۃ لم یجز البیع بہا حتی یعینہا لانہا سلع فلا بد من تعیینہا۔
(ھدایہ صفحہ ۹۴ ج ۳)

کسی چیز کی بیع پیسوں سے بھی جائز ہے کیونکہ وہ بھی مالیت رکھتے ہیں۔ سو اگر انکا چلن ہے تو انکے مقابلہ میں بیع جائز ہے گو وہ مخصوص اور معین نہوں کیونکہ وہ اصطلاح سے ثمن قرار پاچکے ہیں۔ اور اگر انکا چلن نہ رہا ہو تو انکے مقابلہ بیع جائز نہیں۔ جب تک کہ ان کو مخصوص کرکے ان سے مبادلہ نہ کیا جائے۔ کیونکہ اس صورت میں وہ خود ایک فروختنی چیز ہونگے جسکی تعیین و تشخیص ضروری ہے

برہان شرح مواہب الرحمن اور ہدایہ میں فلوس کو اس صورت میں بھی ثمن ہونے سے خارج کیا ہے جبکہ ان کو معین کرکے فروخت کیا جائے۔ چنانچہ کہا ہے۔

وجاز فلس بفلسین باعیانہما بان کان کل من الفلس والفلسین معینا وھذا عند ابی حنیفۃ وابی یوسف وبہ قال مالک والشافعی فی الاصح وعند محمد واحمد لا یجوز کما لا یجوز درہم بدرہمین۔ لان الفلوس الرائجۃ ثمن فلا تتعین فی

ایک فلوس کا مبادلہ دو پیسے سے اگر وہ دونوں معین ہوں جائز ہے۔ یہ امام ابو حنیفہ و ابو یوسف و امام شافعی و امام مالک رحمہم اللہ کا قول ہے اور امام محمد و امام احمد فرماتے ہیں کہ یہ مبادلہ جائز نہیں ہے جیسے ایک درم کا مبادلہ دو درم سے جائز نہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

المقصود بالتعیین کالنقد – ولھذا لو تلفت
بخلاف جنسھا لا یتعین حتی لو اشتری
بفلوس معینۃ شیئاً فھلکت قبل التسلیم
لا یبطل العقد وتعرایدل المصالح وکذا لو تلفت
بجنسھا لا استواء الجنس وغیر الجنس فیما
یتعین بالتعیین وفیما لا یتعین بہ کالمکیل
والموزون والذھب والفضۃ واذا لم تتعین
بالتعیین صار بیع الفلس بفلسین باعیانھما
کبیعھما بغیر اعیانھما ولنا ان الفلوس لیست
بثمن خلقۃ وانما صارت ثمنا بالاصطلاح
وقد اصطلح المتعاقدان علی ابطال ثمنیتھما
فیبطل وان کانت ثمنا عند غیرھما لانہ
لا ولایۃ لغیرھما علیھما فلا یلزمھما اصطلاح
واذا بطلت الثمنیۃ فی الفلوس تعینت بالتعیین
بخلاف الدراھم والدنانیر فان ثمنیتھا بالخلقۃ
فلا تبطل بالاصطلاح. قید باعیانھما
لانھما لو کانا او احدھما بغیر عینہ لم یجز
بالاتفاق اما اذا کانا بغیر اعیانھما فلانہ
بیع الکالی بالکالی وھو منھی عنہ واما ان
کان احدھما بغیر عینہ فلان الجنس بانفرادہ
یحرم النسا کما عرف ان معروف فی المطلب صفحہ ۲۵)

کہ فلوس رائج الوقت ثمن ہیں لہٰذا معین کرنے
سے معین نہیں ہو سکتے جیسے درہم و دینار۔
یہی وجہ ہے کہ چند فلوس معین کر کے ان
سے کوئی چیز خریدی جائے اور پھر وہ
فلوس تلف ہو جائیں تو وہ بیع باطل نہیں
ہوتی۔ اور اگر ان فلوس کے بدلے کوئی
اور چیز مول لی جائے تو یہ مبادلہ صحیح ہے
اور جب وہ معین کرنے سے متعین نہ ہوئے
تو یہ مبادلہ ایک فلوس کا دو فلوس سے ایسا
ہوا جیسے ایک درہم کا مبادلہ دو درہم سے
امام ابو حنیفہ وغیرہ کی دلیل یہ ہے کہ فلوس
اصل پیدائش میں ثمن نہیں ہیں وہ صرف
اصطلاح سے ثمن قرار پائے ہیں اور
جب مبادلہ کرنیوالوں نے انکو معین
کر لینے سے انکا ثمن ہونا باطل ٹھہرا دیا
تو انکے حق میں وہ ثمن نہ رہے گو اوروں
کے نزدیک وہ ثمن ہیں۔ اور اوروں کا
ان دونوں پر کوئی حق و اختیار نہیں اور
جب ان کا ثمن ہونا باطل ہوا تو وہ معین
کر دینے سے معین ہو گئے اور ایک
فروختنی چیز قرار پائی اور چونکہ وزن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وپیمانہ میں انکا اتحاد نہیں۔ لہذا ایک کا دو سے مبادلہ جائز ہوا۔

درہم و دینار کا حال فلوس کے حال سے مخالف ہے انکو گو بھی تعین کرکے ایک فروختنی چیز قرار دی اور ایک کا دو سے مبادلہ کرنا چاہو تو یہ جائز نہیں کیونکہ وہ اپنی پیدائش میں ثمن ہیں جنکا ثمن ہونا کسی کی اصطلاح و قرارداد سے باطل نہیں ہوتا۔ پیسوں کا درصورت معین ہونیکے فروختنی چیز ہو جانا اور ایک کا دو سے مبادلہ جائز ہونا اسلئے تجویز کیا گیا ہے کہ اگر دونو معین نہوں یا دونو میں سے ایک معین نہو تو یہ مبادلہ جائز نہیں ہے دونو معین نہوں تو عدم جواز کی یہ وجہ ہے کہ اس صورت میں قرض کے قرض سے بیع ہوگی جو جائز نہیں ہے۔ اور اگر ایک جانب میں عدم تعین ہوا اور صرف اس جانب کا قرض ہو تو یہ مبادلہ اس وجہ سے ناجائز ہے کہ دونو فلوس کی جنس ایک ہے۔ اور ایک جنس کی چیزوں میں ایک کا نقد دوسرے کا ادھار ہونا حرام ہے۔ جنس تنہا بھی ہو (یعنی اسکے ساتھ وزن و پیمانہ نہو) تو وہ ادھار کو حرام کردیتی ہے۔"

برہان اور ہدایہ کے اس مسئلہ اور اسکی دلیل سے ہمکو اتفاق نہیں ہے اور نہ اس مسئلہ میں ہم حضرت امام ابوحنیفہ و حضرت امام شافعی کی رائے سے اتفاق کرسکتے ہیں۔ اس باب میں ہمکو امام محمد و امام احمد کی اتباع یا توافق رائے سے چارہ نہیں ہے۔

برہان و ہدایہ کی اس دلیل سے جو امام ابوحنیفہ کے مذہب پر انہوں نے قائم کی ہے ہمکو دو وجہ سے اتفاق نہیں۔ وجہ اول یہ کہ ایک پیسہ کا دو پیسہ سے (انکو معین و مخصوص کرکے) مبادلہ کرنیوالوں کو یہ اختیار و حق حاصل نہیں ہے کہ اس تعیین و تخصیص کے ذریعہ سے انکا ثمن (یا دام) ہونا باطل کردیں اور اسکو ایک فروختنی متاع قرار دیکر انہیں کمی و بیشی جائز کرلیں۔

کیونکہ درصورت فلوس کے ثمن ہونیکے (گو وہ صرف اصطلاح سے فرض کیا جائے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہ پیدائش سے) اس خلوص سے خدا تعالے کا حق متعلق ہوجاتا ہے وہ ثمن ٹھہر کر ربوی مال (مال محل ربا) بنجاتے ہیں - اور امام شافعی کے اس اصول پر کہ ربا ہونے کی علت نقدین میں انکا ثمن ہونا ہے وہ (فلوس) درصورت کلی بشیٔ حکم ربا کا محل ہوجاتے ہیں - پھر انکے مبادلہ کرنیوالوں کو کب پہنچتا ہے کہ انکو بوقت بیع معین ومخصوص کرکے انکا ثمن ہونا باطل کردیں - اور ایک کا دو سے مبادلہ کرکے خدا کے حق (حرمت ربا) کو باطل وبیکار کردیں -

انکو یہ اختیار دینا اس اختیار دینے کی مانند ہے کہ وہ چاندی کو چاندی کی جنس نہ سمجھیں یا ہم جنس مگر کم وبیش عوضین کو باہم متساوی خیال کریں - اور انہیں با جائز بنالیں - اس صورت میں اور صورت مبادلہ فلوس میں یہ فرق کرنا کہ چاندی کا چاندی کی جنس ہونا یا دو ہم جنس چیزوں کا وزن میں کم وبیش ہونا ایک خلقی امر ہے اسلئے متعاقدین اسکو بدل نہیں سکتے اور اسکا خلاف فرض نہیں کرسکتے - بخلاف ثمن ہونے فلوس کے کہ وہ اصطلاحی امر ہے جسکو وہ بدل سکتے ہیں کافی نہیں ہے اسلئے کہ جب اصطلاح اور رواج عام سے فلوس کے ثمن ہونے کو شریعت نے مان لیا اور امام شافعی کے اصول پر انمیں علت ربا (ثمن بیع) کا تحقق ہوا تو بعد تسلیم اسمیں اور ان اشیا کے اوصاف میں کوئی فرق نرہا - اور اس ثمنیت مسلمہ کے ابطال سے خدا تعالےٰ کے حق مسلم کا ابطال لازم آیا - وجہ دوم یہ کہ نقدین درہم ودینار (یا روپیہ اشرفی) کو خلقی (پیدائشی) ثمن قرار دینا اور فلوس کو صرف اصطلاحی ثمن کہنا ایک بلا دلیل تحکم ہے - درہم ودینار عالم بالا سے مضروب ومسکوک ہو کر آتے تو یہ فرق مناسب وبجا تھا - اور جب ہم صاف دیکھتے ہیں کہ درہم ودینار یا روپیہ واشرفی ایک حصہ چاندی و سونے پر ضرب وسکہ لگانے سے ثمن قرار پاتے ہیں اور ایسے ہی فلوس ایک حصہ تانبے پر ضرب وسکہ لگانے سے ثمن قرار پائی ہیں تو اب

سابقہ..

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فرق کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ یہ (فلوس) اصطلاحی ثمن ہیں تو وہ (درہم دینار) بھی اصطلاحی ہونی چاہئیں۔ اور اگر وہ خِلقی ہیں تو یہ بھی خِلقی ہونی چاہئیں اور اگر یہ فرق بیان کیا جاوے کہ فلوس کا چلن کبھی موقوف ہو جاتا ہے اسلئے ان میں کمی آ جاتی ہے اور وہ اسوقت فروختنی چیز کہلاتی ہے جیسے اس وقت نانک شاہی پیسے ہیں کہ وہ اب نصف سابق پر نہیں چلتے تو اس کا ابطال یہ ہے کہ یہی حال درہم۔ دینار۔ روپیہ و اشرفی کا ہے جب اس کا چلن نہیں رہتا تو انمیں بھی کمی آ جاتی ہے۔ دیکھو اسوقت پچھلے سلاطین کے عہد کے روپیہ و اشرفیاں چلن سابق کے مساوی نہیں۔ اور درہم و دینار سابق کا بھی اس ملک میں یہی حال ہے۔

ان وجوہات سے صاف ثابت ہے کہ اصطلاحی ثمن (فلوس) اور خِلقی ثمن (درہم و دینار) دونوں مساوی ہیں۔ چلن کی حالت میں دونوں ثمن کہلانے کے مستحق ہیں۔ اور موقوفی چلن کے وقت دونوں فروختنی متاع ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا کسی بشر کو یہ حق و اختیار نہیں کہ اصطلاحی ثمن (فلوس) کو بوقت مبادلہ معین و مقرر کر کے فروختنی متاع بنا لے اور ایک کا مبادلہ دو سے جائز کر لے۔

(اقوال عبارات مذکورۂ بالا سے ثابت ہے (اور اس غرض سے انکو نقل کیا گیا ہے) کہ بعض اشیاء گو پیدائشی میں ثمن یا دام نہ کہلاویں صرف اصطلاح و قرارداد خلائق سے ثمن ہو سکتی ہیں۔ اور انکا حکم مبادلہ کے باب میں ان چیزوں کا حکم ہے جو پیدائشی ثمن کہلاتی ہیں۔ اور انہیں تعیین کے ذریعہ سے اس حکم کو کوئی بدل نہیں سکتا۔ تمہید ختم ہوئی۔ اب ہم کرنسی نوٹ کے مبادلہ کا وہ حکم جو شروع مسئلہ میں بیان کر چکے ہیں ثابت اور مدلل کرتے ہیں۔

واضح ہو کہ یہ نوٹ دو حال (احتمال) سے خالی نہیں۔ ایک یہ کہ ہم اسکو

© rasailojaraid.com

گورنمنٹ کا اصطلاحی ثمن قرار دیں اور بمنزلہ سکّہ اور نقد روپیہ فرض کریں ۔
دوسرا یہ کہ اسکو ایک دستاویز قرضہ (اقرار نامہ یا تمسک یا ہنڈوی یا رسید وغیرہ)
خیال کریں +

ان دونو[1] احتمال و حال کی نظر سے اسکے مبادلہ کا وہی حکم ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں ۔

---

[1] کرنسی نوٹ کی اصلی حالت اور واقعی حقیقت کا ہم کو علم حاصل نہیں ہوا ۔ اسکی تحقیق حال میں ہم نے بہت چھان بین کی ۔ گورنمنٹ کے قانون کو دیکھا ۔ اور اس قانون کے ماہرین وکلا وغیرہ فضلا سے مذاکرہ کیا تھا مگر محکمہ نوٹ کے افسروں سے خط وکتابت کی ۔ اُن سے بالمشافہ گفتگو کی ۔ مگر اسکی حقیقت واضح اور متعین نہ ہوئی جس (شخص یا کتاب) سے ہم نے استکشاف حال کیا اسکو خود اس نوٹ کے معاملہ میں متردد پایا ۔ کسی نے اسکو تحقیقاً نہ یقیناً بمنزلہ زر نقد قرار دیا ۔ کسی نے دستاویز قرضہ بتایا ۔ ایک افسر محکمہ کرنسی نوٹ نے اسکی نسبت دونوں امروں کا اظہار کیا اور کہا کہ اسکو ثمنی "یعنی نقد ہی کا بہا" بھی کہہ سکتے ہیں اور دستاویز قرضہ بھی ٹھہرا سکتے ہیں" اور ایک بانکنگ پیپر (ویسا ہی جیسی کاغذ) جو ایک طرف سے میلا تھا دوسری طرف سے صاف) ہاتھ میں لیکر کہا کہ اسکو ہم صاف جانب کے لحاظ سے صاف کہہ سکتے ہیں ۔ اور میلی جانب کے لحاظ سے میلا کہہ سکتے ہیں ۔

ڈپٹی کمشنر کرنسی نوٹ (جو پنجاب کے اکونٹنٹ جنرل بھی ہیں) نے تو دو تین دفعہ کی خط وکتابت کے بعد نوٹ کے اصول و قواعد بتانے سے صاف انکار کر دیا ۔ چنانچہ ہماری چٹھیات کے جوابات کی تیسری چٹھی نمبری ۳۴۴۲ مورخہ ۱۹ جنوری ۱۸۹۱ء میں اُنہوں نے لکھا ہے کہ "کرنسی نوٹ کے رول جو آپ نے دریافت کئے ہیں وہ صرف افسران گورنمنٹ کی ہدایت کے لیئے ہیں ۔ عام لوگوں میں اشاعت کے لئے نہیں ہیں" ۔ جس نے ہم کو آئندہ تحقیق سے مایوس کر دیا ۔ اسیوجہ سے ہم نے نوٹ کے دونو حال و احتمال پر اسکا حکم مبادلہ بیان کیا ہے اور دونو میں سے کسی جانب کی نسبت اپنا یقین ظاہر نہیں کیا ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پہلے احتمال پر شہادت اور اسکے حکم مبادلہ کی وجہ ثبوت

اس نوٹ میں ہم خواص و لوازم ذیل پاتے ہیں جو شرعاً ثمن اور روپیہ کے خواص و لوازم ہیں۔
(۱) یہ نوٹ لوگوں کے دین میں ادا کیا جاتا ہے۔ (۲) یہ بوقت معاملہ معین کرنے سے معین نہیں ہوتا مثلاً اگر کوئی ایک قطعہ خاص نوٹ کے بدلہ کوئی چیز خریدے اور پھر وہ قطعہ نوٹ اسکے ہاتھ سے تلف ہو جائے تو وہ عقد مبادلہ باطل نہیں ہوتا۔ اور اس چیز کی قیمت مشتری کے ذمہ واجب ہوتی ہے جسکے بدلہ وہ دوسرا نوٹ اور نقد روپیہ ادا کر سکتا ہے (۳) یہ نوٹ باوجود موجود ہونے کے قبل تسلیم دوسرے نوٹ یا نقد روپیہ سے بدل دیا جاتا ہے۔ (۴) اسکی عدم موجودگی کی حالت میں اسکا عقد مبادلہ صحیح ہو جاتا ہے اور بعد موجودگی اسی عقد میں عوضین کی تسلیم واجب ہوتی ہے۔ یہ نوٹ کے ثمن اور بمنزلہ روپیہ ہونے پر شرعی شہادت ہے۔ اب اسکے ثمن اور بمنزلہ روپیہ ہونے پر **قانون کی شہادت** پیش کیجاتی ہے

کرنسی نوٹ میں روپیہ کے قانونی اوصاف و لوازم تین پائے جاتے ہیں۔ (۱) اس نوٹ کو گورنمنٹ کا روپیہ کے مانند رائج قرار دینا۔ اس نوٹ کو گورنمنٹ کا پیپر کرنسی (یعنے کاغذ رائج یا کاغذ کا چلن) لکھنا صاف مشعر ہے کہ گورنمنٹ نے اسکو بمنزلہ رائجہ قرار دیا ہے۔ لفظ کرنسی لفظ "کررو" سے (جو لاطینی ہے) ماخوذ ہے۔ اور کررو کے معنے دوڑنے کے ہیں۔ اس نوٹ کو اسی نظر سے گورنمنٹ نے کرنسی لکھا ہے کہ وہ سکہ رائجہ کے مانند چلتا ہے۔ اسی نظر سے انگلستان کے مروجہ سکہ "کراؤن" کو جس پر تاج کی صورت ہوتی ہے۔ اور وہ تخمیناً ع۲/ کا ہوتا ہے۔ اور سکہ سینٹ کو جو تقریباً چار پائی کا ہوتا ہے۔ کرنسی لکھا گیا ہے اور اسی نظر سے ہر ایک سکہ "کرنٹ کائن" یعنے سکہ رائجہ کہلاتا ہے۔ اسی معنی سے روپیہ کو سلور کرنسی (یعنی چاندی کا سکہ رائجہ) اور اشرفی کو گولڈ کرنسی (یعنے سونے کا سکہ رائجہ) کہا جاتا ہے۔ یہ وصف (چلن یا رواج) سکہ کے سوا اور چیزوں مثلاً بل آف اکسچینج (یعنے ہنڈوی) پرامیسری نوٹ بینک نوٹ وغیرہ کاغذ زر اور ہمارے ملک کی مروجہ کوڑیوں میں بھی پایا جاتا ہے۔ مگر یہ چیزیں روپیہ کے اوصاف و لوازم آئندہ سے معرا ہیں لہذا وہ باوجود رواج و چلن روپیہ کے مانند نہیں ہو سکتیں۔ (۲) کرنسی نوٹ کا روپیہ کے مانند دست بدست متداول ہونا جیسے روپیہ اور دوسرا سکہ اشرفی وغیرہ ایک شخص سے دوسرے کو پہنچے۔ تو وہ شخص بغیر کسی تحریری یا زبانی سند کے اسکا مالک متصور ہوتا ہے اور اس سے جائز طور پر نفع اٹھا سکتا ہے۔ ایسا ہی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرنسی نوٹ ایک سے دوسرے کے ہاتھ میں پہنچے۔ تو وہ بغیر کسی سند کے اسکا مالک متصور ہوتا ہے۔ اور حدود حلقہ اجرای نوٹ کے اندر جہاں سے چاہیئے۔ اسکا روپیہ حاصل کرسکتا ہے۔ یہ وصف پرامیسری نوٹ ہنڈوی وغیرہ کاغذوں میں (بجز بنک نوٹ) نہیں پایا جاتا انکا روپیہ دوسرے شخص کو اسی صورت میں مل سکتا ہے۔ کہ اصل مالک ان پر یہ تحریر کردے کہ میں نے اس کاغذ کو دوسرے کے ہاتھ میں فروخت کردیا۔ اور حق ملکیت اسکی طرف منتقل کیا۔ بنک نوٹ جس میں یہ وصف پایا جاتا ہے آئندہ وصف لازمہ روپیہ سے معری ہے۔ لہذا وہ باوجودیکہ روپیہ کے مانند دست بدست متداول ہوتا ہے۔ روپیہ یا سکہ کے مانند نہیں ہوسکتا

(۴) گورنمنٹ کا کرنسی نوٹ کو ادائے دین میں ویلیگل ٹینڈر (قانوناً پیش کئے جانے کے قابل) ٹھہرانا ایک شخص کا دوسرے پر کچھ روپیہ قرض ہے یا کسی چیز کی قیمت واجب ہے تو وہ بجائے اس روپیہ کے اسی تعداد کا نوٹ جو اس مقدار کا ہو ادا کرسکتا ہے اور اس سے وہ دین سے بری ہوسکتا ہے۔ صاحب قرض اس نوٹ کو روپیہ کی جگہ قبول نہ کرے۔ تو وہ قانوناً مستحق نالش نہیں ہوسکتا۔ ایکٹ نمبر ۲ سنہ ۱۸۸۲ء (جو کرنسی نوٹ کا قانون ہے) کی دفعہ ۱۲ میں کہا ہے۔ وہ حلقہ ہای مندرجہ بالا سے جو کرنسی نوٹ کسی حلقہ کی کسی مد سے جاری ہو۔ اس حلقہ میں بابت ادا یا مطالبہ مفصلہ ذیل لیگل ٹینڈر ہے۔ (الف) بابت مطالبہ مالگذاری یا کسی اور دعوے کے جسکی تعداد پانچ روپیہ یا اس سے زیادہ ہو۔ اور وہ گورنمنٹ ہند کو واجب الوصول ہو (ب) ہر تعداد مبلغ پانچ روپیہ اور اس سے زیادہ کی جو گورنمنٹ ہند سے یا کسی جماعت یا کسی سند یافتہ سے یا کسی شخص سے برٹش انڈیا میں واجب الوصول ہو۔ یہ وصف کرنسی نوٹ کا بنک نوٹ اور ہمارے ملک کی مروجہ کوڑیوں میں پایا نہیں جاتا۔ لہذا وہ باوجود مروج ہونیکے اور روپیہ کے مانند دست بدست منتقل ہونیکے روپیہ کے مانند نہیں ہوسکتے۔ بنک نوٹ اور کوڑیاں کیونکر روپیہ کے قائمقام ہوں۔ قانون کے رو سے دوسرا حقیقی سکہ (اشرفی یا روپیہ) بھی ادای دین میں روپیہ کے قائمقام نہیں ہوسکتا۔ ایکٹ نمبر ۲ سنہ ۱۹۰۶ء میں جو ہندوستان کا قانون سکہ ہے کہا ہے کہ سکہ جائز بابت ادای دین دفعہ ۱۲ اشرفی کا سکہ بابت ادای دین یا کسی معاملہ کی بابت قانوناً سکہ جائز (یعنی لیگل ٹینڈر) نہیں ہے۔ دفعہ ۱۳ روپیہ اور آٹھ آنی بابت ادای دین یا کسی معاملہ کی بابت قانوناً سکہ جائز ہونگے + چوآنی اور دوآنی صرف روپیہ کے کسرات ادا کرنیکے لئے سکہ جائز سمجھے جائینگے۔ دفعہ ۱۴ ادھ آنہ کا پیسہ روپیہ کے بتیسویں حصہ یعنی ادھ آنہ کی لئے سکہ جائز سمجھا جائیگا یعنی کسرات میں لیا جائیگا۔ کوئی روپیہ کی جگہ روپیہ کے پیسے ادا کرے تو وہ لیگل ٹینڈر ہوگا۔ یہ وصف سوم نوٹ (اسکا لیگل ٹینڈر ہونا تاہم) اس نوٹ کو بمنزلہ سکہ اور زر نقد ہونے پر ہماری قوی دلیل ہے۔ اور اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ نوٹ منجملہ نقود خاص کر چاندی کے روپیہ کا قائمقام اور اسکے مانند ہے۔ نہ سونے کے ...

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہ سونے کی اشرفی کا اور نہ تانبے کے پیسہ کا۔ ان شواہد و دلائل شرعی اور قانونی سے ثابت ہے کہ یہ نوٹ گو صورۃً ایک کاغذ کا ٹکڑا ہے مگر معنیً چاندی کا روپیہ ہے اور جنس اور معیار (وزن) میں حقیقی روپیہ کے حکم میں ہے۔ لہٰذا ایک نوٹ کا مبادلہ دوسرے نوٹ یا نقد روپیہ سے ایسا ہے جیسا نقد روپیہ کا مبادلہ نقد روپیہ سے جو شرعاً بیع صرف کہلاتا ہے بنا بریں اس مبادلہ میں نہ کمی بیشی جائز ہے اور نہ ایک جانب کا اُدھار۔

نوٹ کا نوٹ سے مبادلہ ہو تو اسمیں کمی بیشی اور ایک جانب کے اُدھار کا ناجائز ہونا امام شافعی کے اصول پر ظاہر ہے کیونکہ ان کے نزدیک ہم جنس ثمنول میں (گو کسی معیار (ناپ تول میں) نہ آویں) کمی بیشی اور اُدھار سے ربا ثابت ہوتا ہے۔ اور امام ابو حنیفہ کے اصول پر نوٹ کا معنیً چاندی کی جنس سے اور اُسکے حکم میں ہونا اس بات کا مثبت ہے۔

اور یہی معنوی اور حکمی حیثیت نقد روپیہ سے نوٹ کے مبادلہ میں کمی بیشی اور اُدھار کو دونوں مذہب کے مطابق ناجائز کرتی ہے جسکی دلیل بالتفصیل مسئلہ (۱ و ۲) میں مذکور ہو چکی ہے۔

دوسرے احتمال پر شبہات اور اسکے حکم مبادلہ کی وجہ کی ثبوت

اس نوٹ کے دستاویز قرض ہونے پر اسکے خواص و لوازم ذیل شاہد ہیں۔

(۱) اس نوٹ کے ہر ایک قطعہ پر گورنمنٹ ہند کی طرف سے یہ عہد یا وعدہ مرقوم ہوتا ہے کہ اس پرچہ کے حامل کو اسقدر رقم فوراً عند الطلب واپس کیجائیگی اس عبارت میں لفظ "وعدہ" اور لفظ "ادا" مشعر ہیں کہ اس رقم کو جو اس پرچہ پر ثبت ہوتی ہے گورنمنٹ اپنے ذمہ قرض واجب الادا سمجھتی ہے اور اسکے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ادا کرنے کا وعدہ دیتی ہے۔

(۲) اس نوٹ کے تلف ہوجانیکی بعض صورتوں[۵] میں گورنمنٹ وہ روپیہ ادا کرتی ہے جو اس پر درج ہوتا ہے۔ اس سے بھی مفہوم ہوتا ہے کہ گورنمنٹ اس روپیہ کو اپنے ذمہ قرض سمجھتی ہے۔

(۳) اس نوٹ کو گورنمنٹ کا "کریڈٹ" یعنی "اعتبار" تسلیم کیا جاتا ہے پولیٹکل ایکونمی مل صاحب اور فاسٹ صاحب میں یہ امر بتفصیل بیان ہوا ہے اور یہ بات ظاہر ہے اور ان کتابوں میں مرقوم ہے کہ "اعتبار" یا "کریڈٹ" معاملات و لین سے متعلق ہوتا ہے - نقد روپیہ یا غیر مضروب چاندی سونے کے لین دین میں اعتبار کا کوئی دخل و ضرورت نہیں - لینے دینے والے اسکی مالیت کو خود پرکھ سکتے ہیں یہ (نوٹ کا کریڈٹ یا اعتبار ہونا) بڑی بھاری اور قوی دلیل ہے کہ یہ نوٹ ایک قرض کی دستاویز ہے (اسکو ہنڈوی کہیں خواہ تمسک یا رسید یا وعدہ وغیرہ وغیرہ)

اس صورت میں نوٹ کا مبادلہ نوٹ سے ہو خواہ نقد روپیہ سے حقیقۃً اور در اصل روپیہ کا مبادلہ روپیہ سے ہے گو صورۃً اور برائے نام کاغذ کو بھی اس مبادلہ میں دخل ہے - وا لہذا یہ مبادلہ حقیقۃً بیع صرف ہے - اور اسمیں کمی بیشی اور ایک جانب کا ادھار عوضین کے حقیقۃً ہم جنس اور ہم معیار (ہم وزن) اور ثمن ہونے کی وجہ سے بالاتفاق ناجائز ہے -

اس صورت (نوٹ کی دستاویز قرض ہونے کی صورت) میں یہ مبادلہ ایک اور وجہ سے بھی ناجائز ہے اور اس نوٹ کا لین دین مطلقاً ممنوع ٹھہرتا ہے اگر یہ صورت صحیح اور واقعی ہو

[۵] ان صورتوں کی ہم بطور مثل کچھ تفصیل کرتے ولیکن اکونٹنٹ جنرل کی چٹھی سابق الذکر ہم کو اس تفصیل سے روکتی اور یہ ہدایت کرتی ہے کہ ان صورتوں کی اشاعت جنرل پبلک (عام لوگوں) میں نہ کرنی چاہیئے انکو کانفیڈنشل (مخفی) سمجھنا چاہیئے جو ہماری سمجھ میں کوئی وجہ نہیں رکھتا اور اہل الرا اسپر رائے زنی کریں تو معلوم ہو -

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وہ یہ ہے کہ اس صورت میں نوٹ کا مبادلہ نوٹ سے ہو تو ایک قرض کی دوسرے قرض سے بیع ہوتی ہے (جسکو حدیث میں بیع الکالی بالکالی کہا گیا ہے) اور اگر نقد روپیہ سے مبادلہ ہو تو وہ دین سے ایک عین کا مبادلہ ہے - اور ان دونوں سے شریعت میں ممانعت آچکی ہے (چنانچہ مسائل متعلق قسم اول میں انکا بیان عنقریب آتا ہے - انشاء اللہ تعالے)

اس نوٹ کی نسبت اور بھی احتمال خیال میں گزرتے ہیں مگر وہ بے دلیل اور نا قابلِ لحاظ ہیں - اور اس قابل نہیں ہیں کہ نوٹ کے اس حکم کو جو ہمنے بیان کیا ہے بدل سکیں ✤

ازانجملہ ایک احتمال یہ ہے کہ اس نوٹ کے عوض میں جو روپیہ گورنمنٹ لوگوں سے وصول کرتی ہے اُسکو امانت خیال کیا جائے اور نوٹ کو امانت کی رسید - یہ احتمال علاوہ اسکے بے دلیل ہونے کے دو وجہ سے غلط ہے

وجہ اول یہ کہ اگر اس روپیہ کو گورنمنٹ امانت سمجھتی تو اسمیں اپنے ذاتی فائدہ کے لئے کوئی تصرف نہ کرتی حالانکہ اس روپیہ کو گورنمنٹ ذاتی کام میں لاتی ہے - اور اس سے بہت نفع اُٹھاتی ہے - اور اگر اس وجہ کی مدافعت کے لئے یہ کہا جائے کہ گورنمنٹ کا اس روپیہ کو ذاتی کام میں لانا اور اس سے نفع اُٹھانا لوگوں کی اجازت سے ہے اور اس وجہ سے وہ روپیہ گورنمنٹ کے ہاتھ بطور عاریت ہے تو اسکا جواب یہ ہے کہ نقدی کی عاریت اگر اس غرض سے ہو کہ مستعیر اسکو اپنے خرچ میں لاوے اور اس سے تجارت کا نفع اُٹھائے تو وہ شرعاً قرض ہے چنانچہ ہدایہ وغیرہ کُتب فقہ میں مدلل ثابت کیا گیا ہے - اور جب یہ امانت یا عاریت

وعارية الدراهم والدنانير والمكيل والموزون والمعدود قرض - لان العارية تمليك المنافع ولا يمكن الانتفاع بها الا باستهلاك

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عينها فاقتضى تمليك العين ضرورة وذلك بالهبة او القرض والقرض اولاهما فيثبت اولان من قضيته الا عادة الانتفاع وادا العين فيا قيم رد المثل مقامه قالوا هذا اذا اطلق الاعارة اما اذا عين الجهة بان استعار الدراهم ليعير بها الميزان او ليزين بها دكانا لم يكن قرضا - (هدایہ)

قرض بنگئی تو اسکے مبادلہ کا حکم وہی ہوا جو ہم نے اسکو قرض فرض کرکے بیان کیا ہے -

دوسری وجہ یہ کہ اس روپیہ کی امانت یا عاریت یا قرض ہونے کی صورت میں یہ ضروری ہے کہ جس شخص سے گورنمنٹ روپیہ لیکر اسکو نوٹ دے - اُسی شخص یا اُسکے خاص وکیل کو نوٹ لیکر روپیہ ادا کرے - جیسا کہ پرامیسری نوٹ کے روپیہ (جسکو گورنمنٹ قرض سمجھتی ہے) گورنمنٹ اسطور پر ادا کرتی ہے (چنانچہ پرامیسری نوٹ کے مسئلہ میں اسکا بیان عنقریب آتا ہے) حالانکہ اس نوٹ کا روپیہ ادا کرنے میں گورنمنٹ ایسا نہیں کرتی جس شخص سے روپیہ لیکر اسکو نوٹ دیتی ہے اُس شخصکو گورنمنٹ کا روپیہ واپس دینا عموماً وقوع میں نہیں آتا - وہ نوٹ دنیا میں مارا مارا پھرتا ہے اُسکا روپیہ اُس شخص کو ملجاتا ہے جسکے ہاتھ میں وہ ہو - اور یہی عدہ ہر ایک نوٹ پر مکتوب ہی - اصل روپیہ دینیوالے کو اہالی گورنمنٹ سے جو اسکا روپیہ ادا کرتے ہیں کوئی نہیں جانتا کہ وہ کون تھا اور کہاں گیا جیتا ہے یا مرگیا - اور اگر یہ خیال کیا جائے کہ حامل نوٹ کو گورنمنٹ کو اس شخص کا وکیل سمجھتی ہے اور اسیوجہ سے اُسکو اس نوٹ [illegible] پیہ ادا کرتی ہے تو اسکے مقابلہ میں یہ خیال گزرتا ہے کہ گورنمنٹ اسکو اصل روپیہ والے کا وکیل سمجھے تو اس سے وکالت کی سند پوچھے اور اسکا کافی ثبوت لیکر اُسکو روپیہ دے - اور ایسا کبھی وقوع میں نہیں آتا بلکہ جسکے ہاتھ میں نوٹ ہو اُسکو نوٹ کا مالک سمجھ کر اُسکے عوض میں روپیہ دیا جاتا ہی -

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اِس تقریر وجہ دوم سے ناظرین کو یہ شبہہ پیدا ہوگا کہ اِس تقریر سے تو نوٹ کا دست آویز قرضہ ہونا ہی باطل ہوتا ہے جسکو تسلیم کرکے اِس نوٹ کا حکم بیان کیا گیا ہی۔ پس اگر اِسکا دست آویز قرضہ ہونا باطل ہوگا تو وہ حکم کیونکر قائم رہیگا۔ اِس شبہ کا جواب یہ ہی کہ اِس نوٹ کو ہم نے اِن دلائل ثلثہ کی نظر سے جن سے اِسکا دست آویز قرضہ ہونا ثابت ہوتا ہے دست آویز قرض فرض کیا اور مان لیا تھا۔ اِن دلائل کے مقابل ایسی دلائل بھی ہیں جو اسکے دست آویز قرضہ ہونے کے مبطل ہیں از انجملہ وہ دلائل ہیں جو اسکے ثمن اور بمنزلہ زر نقد ہونے پر شاہد ہیں اِن ہی دلائل میں یہ تقریر بھی ہی جس سے یہ شبہہ پیدا ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اِس نوٹ کی تعیین حقیقت اور اصلیت میں نہ صرف ہم کو بلکہ اس نوٹ کے متعلق افسروں کو تردد ہے۔ مگر اِس تردد کی وجہ سے یا اسکے یقیناً دست آویز قرضہ ہونے سے وہ حکم جو اسکو دست آویز قرض فرض کرکے ہم نے بیان کیا ہے باطل نہیں ہوتا کیونکہ وہ اسکے دست آویز قرض ہونے پر موقوف نہیں ہے۔ یہ نوٹ دست آویز قرض نہو بلکہ بمنزلہ سکہ ہو تب بھی یہ حکم ثابت و قائم رہ سکتا ہے۔ ہمارا اسکو دست آویز قرض فرض کرکے اسپر وہ حکم لگانا بغرض استقصاء بحث و استیعاء شقوق ممکن الفرض ہے۔ نہ بخیال و یقین صحت صورت قرض۔

و از انجملہ ایک یہ احتمال ہے کہ اِس نوٹ کو ایک قیمتی چیز قرار دیں۔ اور اُس روپیہ کو جو نوٹ کی عوض گورنمنٹ لیتی ہے۔ اور پھر وہ اسکے عوض میں گورنمنٹ سے اور ہر ایک شخص سے مل سکتا ہے اِسکی قیمت فرض کریں۔ اس صورت میں نوٹ کا وہ حکم باقی نہیں رہتا جو ہم نے بیان کیا ہی۔ بلکہ اسکے مبادلہ میں کمی بیشی اور ایک جانب کا اُدھار سب کچھ جائز ہو جاتا ہی اور سنا ہی کہ بعض ولایتی علما اِس نظر سے نوٹ کے مبادلہ میں کمی بیشی کو جائز رکھتے ہیں۔ مگر ہماری راے میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ احتمال بھی بے دلیل ہونے کے علاوہ دو وجہ سے باطل اور ناقابل التفات ہے۔

وجہ اول یہ کہ اگر اس نوٹ کو بمنزلہ سکہ اور قائم مقام زر نقد۔ یا دستاویز قرض خیال و تسلیم نہ کیا جائے تو پھر اسکا ہر ایک قطعہ دمڑی یا دھیلہ یا نہایت ایک پیسہ سے زیادہ قیمت نہیں رکھتا حالانکہ اسکی قیمت ہزاروں روپیہ تک مقرر کیگئی ہے۔ اسکی یہ قیمت اسکے کاغذ یا اسکے نقش و نگار کی ہرگز نہیں ہوسکتی۔ یہ قیمت اسی نظر سے ہے کہ وہ یا تو بمنزلہ سکہ ہے یا دستاویز قرضہ۔

وجہ دوم یہ کہ اس نوٹ میں جو لوازم ثمن اور نقد روپیہ کے پائے جاتے ہیں اور وہ صفحہ (۳۳۴) میں بیان ہوئے وہ اسکے ایک قیمتی چیز ہونے سے مانع ہیں۔[1]

مثلاً (۱) یہ نوٹ دین کے روپیہ کی جگہ باقاعدہ ادا کیا جاتا ہے اور کوئی قیمتی چیز ایسی نہیں جو بلا عذر نقد روپیہ دین کی جگہ چل سکے۔ اسکے تفصیل صفحہ ... میں ہے۔

(۲) یہ معین کرنے سے معین نہیں ہوتا۔ قیمتی چیز ہوتا تو تعیین سے معین ہو جاتا اور بصورت تلف ہو جانے کے اسکے مبادلہ کا عقد باطل ہوتا۔ وعلی ہذا القیاس ایسے ہی جو لوازم قرض اسمیں پائے جاتے ہیں وہ اسکے قیمتی ہونے سے مانع۔

مثلاً (۱) نوٹ تلف ہو جائے تو بعض صورتوں میں گورنمنٹ اسکا روپیہ ادا کرتی ہے اور اگر یہ ایک قیمتی چیز ہوتی تو اسکے تلف ہونے کی کسی صورت میں اسکی قیمت نہ ملتی۔ کیونکہ کسی کی کوئی قیمتی چیز (کتاب۔ گھوڑا۔ کپڑا وغیرہ) کھوئی جائے تو مالک سے اسکی قیمت ہرگز اور کسی صورت میں وصول نہیں کیجاتی۔

(۲) اسکو گورنمنٹ کا کریڈٹ (اعتبار) کہا جاتا ہے۔ جو صرف دین سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ ذاتی (قطع نظر اسکے وثیقہ قرض ہونے سے) کچھ قیمت رکھتا تو اسکو کریڈٹ یا اعتبار ہرگز نہ کہا جاتا۔ وقس علیٰ ہذا۔

[1] اسکی تفصیل بھی صفحہ ۳۳۴ میں ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بعض کبراء وقت وفضلاء عصر اس نوٹ کو گورنمنٹ کا اصطلاحی ثمن تسلیم کرنے کے ساتھ امام ابو حنیفہؒ و امام شافعی کے اس اصول پر کہ اصطلاحی ثمن تعیین سے متعین ہو کر ایک قیمتی چیز بنجاتے ہیں "اس نوٹ کو ایک قیمتی چیز بنا کر اس کے مبادلہ میں کمی بیشی کو جائز رکھتے ہیں۔ ہم نہایت ادب کے ساتھ اس رائے سے بھی مخالفت ظاہر کرتے ہیں اور باادب ملتمس ہیں کہ اس رائے کے متعلق جو بضمن تمہید ہم بیان کر چکے ہیں کہ تعیین کے ذریعہ اصطلاحی ثمن کی ثمنیت کو باطل کرنے۔ اور اسکو ایک قیمتی چیز قرار دینے کا کسی شخص کو اختیار نہیں"۔ اسکی طرف وہ حضرات مراجعت فرما کر اپنی رائے کو واپس لیں۔ اس رائے کی نسبت اس سے زیادہ عرض کرنے سے ہم کو پاس ادب مانع ہے۔

ومعہذا ہم اس حکم کی نسبت جو مبادلہ نوٹ کے باب میں ہم نے بیان کیا ہے کہ اسمیں کمی بیشی جائز نہیں یہ بھی عرض کرتے ہیں کہ یہ ہماری رائے ہے ممکن ہے کہ اس رائے میں ہم سے غلطی واقع ہوئی ہو۔ پس جو صاحب اس رائے میں غلطی پاویں اور صواب اُن آرا کو سمجھیں جنکو ہم غلط قرار دے چکے ہیں۔ وہ ان آرا کا اتباع کریں۔ اگر اس نوٹ کو قیمتی چیز قرار دیں خواہ ایک امانت کی رسید سمجھیں مگر ان آرا کا اتباع کرنے کے وقت یہ خیال کرلیں کہ تقوی اور احتیاط کس رائے میں پائی جاتی ہے۔ آیا کمی بیشی کو جائز رکھنے میں جیسا کہ ان آرا کا نتیجہ ہے۔ یا مساوات مرعی رکھنے میں جیسا کہ ہماری ناچیز رائے کا لازمہ ہے۔

(۱۰) مسئلہ

ایک قرض کا دوسرے قرض سے مبادلہ جائز نہیں ایسا ہی قرض کا مبادلہ نقد روپیہ سے اگر غیر مدیون سے ہو۔

اس مسئلہ کو جیسا کہ سود بیع سے تعلق ہے ویسا ہی سود قرضہ سے۔ لہذا اسپر مفصل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بحث مسائل متعلقہ سود قرض میں ہوگی انشاء اللہ تعالے -

مسائل متعلقہ قسمِ اوّل سود

(یعنی سود قرض)

تمہید

اِن مسائل کے بیان سے پہلے یہ تمہید ضروری ہے کہ سود قرض کی وہ صورت جو نزول آیہ ربا کے وقت عرب میں معمول و مروج تھی اور وہ بصفحہ ۱۶۷ بیان ہو چکی ہے کئی پیرایوں میں ظاہر ہوتی رہی اور ہو سکتی ہے جن سب کا مدار یا اول یہی کہ اصل اصول میعاد کے مقابلہ میں اصل رقم کے علاوہ کچھ روپیہ لینا ہی - اِسیکے حکم میں وہ منافع قرض ہیں جو سوا ئے نقدی کے اَور صورتوں سے حاصل ہوں مثلاً کوئی دائن (قرض دہندہ) قرض کی غرض سے علاوہ زر قرض کے کچھ غلہ یا کپڑا مقروض سے لینا ٹھہرا لے یا کوئی چیز (مکان رہنے کو یا کتاب پڑھنے یا گھوڑا چڑھنے کو) لینا تجویز کرے وعلیٰ ہذا القیاس - اِن صورتوں کا صورت مروجہ زمانہ جاہلیت سے ملحق اور اِسکے حکم میں شامل ہونا احادیث و آثار ذیل سے ثابت ہے :

عن انس سئل الرجل منا يقرض اخاه المال فيهدى اليه [illegible] قال رسول الله صلعم اذا اقرض احدكم قرضا فاهدے اليه او حمله على الدابة فلا يركبها ولا يقبله الا ان يكون جرى بينه وبينه قبل ذلك رواه ابن ماجه

حضرت انسؓ سے کسی نے پوچھا کہ ہم میں سے کوئی کسیکو قرض دیتا ہے تو وہ اِسکو کچھ بطور تحفہ بھیجدیتا ہے آپنے فرمایا آنحضرت نے ارشاد کیا ہے تم میں سے کوئی کسیکو قرض دے اور وہ اُسکو کچھ تحفہ بھیجے یا اُسکو لینے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وعن انس ان النبی صلعم قال اذا اقرض فلا یاخذ هدیة- رواه البخاری فی تاریخه-

وعن ابی بردة بن ابی موسیٰ قال قدمت المدینة فلقیت عبداللہ بن سلام فقال انک بارض فیها الربوا فاش فاذا کان لک علی رجل حق فاهدی الیک حمل تبن او حمل شعیر او حمل قت فلا تاخذ فانه ربوا- رواه البخاری فی صحیحه (منتقی الاخبار ونیل الاوطار ص ۹۹ ج ۵)

وروی الحارث فی مسنده عن علی قال قال رسول اللہ صلعم کل قرض جر منفعة فهو ربوا-

وروی ابن ابی شیبة فی مصنفه عن عطاء قال کانوا یکرهون کل قرض جر منفعة (تخریج هدایة زیلعی فتح القدیر)

سواری پر سوار کرنا چاہے تو وہ سوار نہو اورنہ اس تحفہ کو قبول کرے بجز اس حالت کے کہ انمیں پہلے ایسی قسم کی راہ ورسم جاری ہو- یہ ابن ماجہ کی روایت ہے- ایسا ہی بخاری نے اپنی تاریخ میں انس سے نقل کیا ہے- اور صحیح بخاری میں ابوموسیٰ کے بیٹے ابوبردہ سے روایت ہے کہ میں مدینہ میں عبداللہ بن سلام سے ملا تو انہوں نے فرمایا- تو ایسی جگہہ رہتا ہے جہاں سود کا لین دین پھیلا ہوا ہے- پس اگر تیرا کسیکے ذمہ کچھ قرض ہو اور وہ تجھے بھس یا جو یا گھاس کا پشتارہ (گٹھڑ) بھیجے تو تو مت لے کیونکہ یہ سود ہے- حارث کے مسند میں حضرت علی مرتضیٰ سے روایت ہے کہ آنحضرت نے فرمایا جو قرض نفع حاصل کرے وہ سود ہے- ابن ابی شیبہ نے اپنی کتاب (مصنف) میں عطاء سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت کے اصحاب ہر ایسے قرض کو جو کسی قسم کی منفعت کھینچے برا سمجھتے تھے- قاضی شوکانی نے جو اسوقت کے اہلحدیث میں امام و مقتدا کہلاتے ہیں اپنی کتاب الدرالبہیہ میں فرمایا ہے کہ قرض کسی قسم کا

ولا یجوز ان یجر القرض نفعا للمقرض (الدرر البهیة)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وأما كونه لا يجوز أن يجر القرض نفعًا
للمقرض فلحديث أنس عند ابن ماجه
انتهى الحديث وفي إسناده يحيى بن
أبي إسحق الهنائي وهو مجهول وفي إسناده
أيضًا عتبة بن حميد الضبي وقد ضعفه أحمد
والراوي عنه إسمعيل بن عياش وهو ضعيف
وقد أخرج البخاري في التاريخ من حديث
أنس عن النبي صلعم إذا أقرض أحدكم
فلا يأخذ هدية وأخرج البيهقي عن ابن
مسعود وأبي بن كعب وعبد الله بن
سلام وابن عباس في السنن الكبرى
موقوفًا عليهم أن كل قرض جر منفعة فهو
وجه من وجوه الربا وأخرج البيهقي أيضًا
نحو ذلك في المعرفة عن فضالة بن عبيد
موقوفًا عليه وقد تقدم ما أخرجه
البخاري عن عبد الله بن سلام وقد
أخرج الحارث بن أبي أسامة في مسنده
من حديث علي أن النبي صلعم نهى عن قرض
جر منفعة وفي رواية كل قرض جر منفعة
فهو ربا وفي إسناده سوار بن مصعب
وهو متروك وما في الباب من الآثار

نفع کھینچے وہ جائز نہیں۔ پھر اسکی شرح
میں اس مسئلہ کے ثبوت میں ۵ احادیث
مذکورہ بالا پیش کر کے ان احادیث
کی تفصیل حال میں فرماتے ہیں کہ
انس کی حدیث کے اسناد میں یحییٰ
بن اسحاق راوی مجہول الحال ہے
ایک راوی اسمیں عتبہ ہے جسکو
امام احمد نے ضعیف کہا ہے۔ اس
سے اسمٰعیل بن عیاش راوی ہے
وہ بھی ضعیف ہے۔

امام بخاری نے تاریخ میں انس
سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت نے
فرمایا ہے جب تم کسیکو کچھ قرض دو
تو اسکا ہدیہ نہ لو۔ اور بیہقی نے ابن
مسعود و ابی بن کعب و عبداللہ بن سلام
و ابن عباس سے روایت کیا ہے
کہ جو قرض نفع کھینچے وہ ربا کی صورتوں
میں سے ایک صورت ہے ایسا ہی
بیہقی نے اپنی کتاب معرفت میں
فضالہ بن عبید سے اسکا قول نقل کیا
ہے۔ اور حارث نے اپنی مسند میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

والآثار يشهد بعضها لبعض والله الهادي المصيب شرح الله بالهيب (وشلہ فی نیل الاوطار ص ۶۹ ج ۵)	حضرت علی سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت نے فرمایا ہے کہ جو قرض منفعت کھینچے وہ ربا ہے۔ اس حدیث کی اسناد میں

سوار بن مصعب راوی ہے جو متروک ہے۔ الغرض اس باب میں جو احادیث و آثار ہیں وہ ایک دوسری کی تائید کرتی ہیں۔ دیکھئے ان احادیث و آثار سے گو بعض کی اسناد میں کلام ہے مگر بعض اس کلام سے محفوظ ہیں جیسے تاریخ بخاری کی روایت انس۔ اور صحیح بخاری کا اثر عبد اللہ بن سلام اور ابن ابی شیبہ کا اثر عطا۔ لہذا ایک دوسرے کے شاہد و مؤید اور جبر نقصان کے موجب ہو سکتے ہیں۔

تمہید ختم ہوئی۔ اب مسائل متعلقہ سود قسم اول بیان کئے جاتے ہیں جنمیں بعض مسائل کا حکم قرآن سے ثابت ہے بعض کا حدیث سے۔

مسئلہ (۱)

سود قرض کی ان صورتوں کے جو بصفحہ (۱۹۸) منقول ہوئیں علاوہ اب ہندوستان میں اس صورت کا رواج عام ہوگیا ہے کہ جو روپیہ بطور قرض دیتے ہیں اسمیں سے اسکا سود لگا کر رکھ لیتے ہیں اور قرض خواہ سے وثیقہ قرض ہنڈوی لکھا لیتے ہیں اسمیں کل رقم قرض معہ وصول شدہ سود درج کرا لیتے ہیں۔ مثلاً زید نے عمرو سے سو روپیہ ایک مہینے کی میعاد پر قرض لیا اور ایک روپیہ اسکا سود ٹھیرا گیا تو عمرو اسی سو روپیہ میں سے ایک روپیہ سود لگا کر ننانوے روپیہ زید کو دیتا ہے اور پورے سو روپیہ کی ہنڈوی اس سے لکھا لیتا ہے۔

اس سود ہنڈوی کی اور صورتیں بھی آجکل مروج ہیں جن سب میں اصل رقم قرض کے علاوہ میعاد کے مقابلہ میں سود لینا پایا جاتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ صورتیں صورت مروجہ زمانہ نزول آیہ ربا کی مانند ہیں۔ لہذا ان صورتوں کی حرمت اسی نص قرآنی سے ثابت ہے جو صورت مروجہ زمانہ نزول آیہ ربا کو حرام کرتی ہے۔

مسئلہ (۲)

ہنڈوی جسکو عربی میں سفتجہ کہتے ہیں اور اسکی حقیقت فقہا یہ بیان کرتے ہیں کہ کوئی شخص کسی مہاجن کو کچھ روپیہ بطور قرض دے اور اسکا ادا کرنا کسی دوسرے شہر میں ٹھہرا لے جس سے اسکا مقصود یہ ہو کہ وہ روپیہ دوسری جگہہ بلا خوف و خطر و بلا خرچ پہنچ جائے

> وبکرہ السفاتج وھی قرض استفاد بہ المقرض سقوط خطر الطریق وھذا نوع نفع استفید بہ وقد نھی الرسول علیہ السلام عن قرض جر نفعا۔
>
> (ھدایہ صفحہ ۱۱۴ ج ۳)

ناجائز ہے اور جو فائدہ اس سے روپیہ والا حاصل کرتا وہ سود ہے کیونکہ وہ قرض کا نفع ہے جسکو احادیث و آثار مندرجہ تمہید نے سود قرار دیا ہے۔

ایسا ہی وہ نقد روپیہ جو بعض وقت مہاجن اس قرض کے بدلے روپیہ والے کو نقد دیتے ہیں اور اسکو ہنڈوی اور مہاجنی محاورہ میں "پہرت" کہتے ہیں اور اسکا دستور اسوقت اور وہاں ہوتا ہے جبوقت اور جہاں پر مہاجن کو روپیہ کی سخت ضرورت ہوتی ہے۔ وہ جہاں روپیہ بھیجوانا قبول کرتا ہے وہاں روپیہ بھیجنے کی اسکو ضرورت نہیں ہوتی بلکہ وہاں سے روپیہ منگانے کی ضرورت شدید ہوتی ہے لہذا وہ روپیہ والے سے دم نقد روپیہ وصول کرنے کو غنیمت سمجھ کر اسکا سود دیتے ہیں۔ اور جہاں سے روپیہ منگانا انکو مطلوب ہوتا ہے وہاں ہنڈوی کر دیتے ہیں جسکا حاصل یہ ہوتا ہے کہ ہم نے اپنا روپیہ فلاں شخص سے وصول پایا ہے تم اسکے بدلے اسقدر روپیہ اسکے فلاں دوست کو ادا کرو۔

دوسری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اِس صورت میں جو روپیہ وہ روپیہ والے کو "بہجرت" کے نام سے دیتے ہیں اُسکا سود ہونا صاف ظاہر ہے۔

ایک صورت ہنڈوی کی ہمارے دیار ہند میں یہ بھی ہوتی ہے کہ روپیہ دینے والا بہ نیت قرض روپیہ نہیں دیتا اور نہ مہاجن اُس سے قرض لیتا ہے بلکہ روپیہ دینے والا وہ روپیہ ایک اُجرت معین پر دوسری جگہہ پہنچانے کو مہاجن کے حوالہ کرتا ہے اور وہ اُسکی اُجرت (جسکو ہنڈاون کہتے ہیں) لیکر وہ روپیہ دوسری جگہہ پہنچا دیتا ہے۔ وہ ہنڈوی ناجائز نہیں ہے اور نہ وہ فائدہ جو دوسری جگہہ روپیہ پہنچ جانیکا روپیہ والے کو حاصل ہوا ہے سود ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اولاً یہ عقد قرض نہیں بلکہ اجارہ ہے اور اگر اسکو خواہ مخواہ قرض ہی فرض کر لیا جاوے تو جو نفع روپیہ دینے والے کو (دوسری جگہہ روپیہ پہنچ جانے کا) اِسمیں حاصل ہوتا ہے وہ بلا عوض نفع نہیں ہے بلکہ وہ اِس اُجرت یا ہنڈاون کے عوض میں حاصل ہوتا ہے جسکو وہ ادا کر چکا ہے۔ فقہا رحمہم اللہ نے جو ہنڈوی کو مکروہ کہا ہے تو اُسکی اسی صورت کو جس میں روپیہ والے کو بلا عوض یہ نفع حاصل ہوتا ہے مکروہ کہا ہے چنانچہ ہدایہ کی عبارت منقولہ سابق اِسپر شاہد ہے۔ اور اگر یہ نفع بعوض اُجرت یا ہنڈاون حاصل ہو تو اِسکو فقہا کے اقوال و دلائل ہرگز ناجائز نہیں قرار دیتے۔ اور غالباً فقہا کے وقت ہنڈوی کرنے کا وہ طریق مروج ہوگا جس کو اُنہوں نے مکروہ لکھا ہے اور اِسمیں نفع بلا عوض روپیہ والے کو حاصل ہوتا ہے نہ یہ صورت جس میں نفع بعوض اُجرت ہوتا ہے ورنہ وہ اِس صورت کو ضرور حکم کراہت سے مستثنیٰ کرتے۔

اِس صورت میں ہنڈوی کو عقد اجارہ قرار دینے پر ایک اعتراض وارد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوتا ہے جسکا بیان اور حل مسئلہ آیندہ میں ہوگا۔

مسئلہ (۴)

سرکاری منی آرڈر جس کے ذریعہ سے ایک شرح معین اُجرت کے ساتھ ایک جگہہ سے دوسری جگہہ روپیہ بھیجا جاتا ہے اس ہنڈوی کے حکم میں نہیں ہے جسکو فقہا نے مکروہ لکھا ہے بلکہ یہ اُس ہنڈوی کی مانند ہے جسکو ہم نے جائز قرار دیا ہے اسکی دلیل بیان کرنے کی ہم کو حاجت نہ تھی کیونکہ اس منی آرڈر کو وہ لوگ بھی جائز سمجھ رہے ہیں جو اسوقت اُس ہنڈوی کو ناجائز سمجھتے ہیں تاہم اس اُمید سے کہ اسکی دلیل جواز کو وہ لوگ خیال میں لاکر اسکی نظیر ہنڈوی کو بھی اسی دلیل سے جائز سمجھیں اس دلیل کو بیان کیا جاتا ہے۔

وہ یہ ہے کہ منی آرڈر گورنمنٹ کی اصطلاح میں ایک اجارہ ہے۔ گورنمنٹ اجیر ہے اور روپیہ دینے والا مستاجر ہے اور ایک جگہہ سے دوسری جگہہ روپیہ پہنچانا مستاجر علیہ (وہ کام جسپر اجارہ ہوتا ہے) ہے اور منی آرڈر کی فیس اس کام کی اُجرت ہے۔

ان جملہ ارکان اجارہ کی وجہ ثبوت یہ ہے کہ گورنمنٹ خود اسکو اجارہ قرار دیتی ہے اور اسکی اُجرت لیتی ہے جسکا وہ صاف و صریح فیس نام رکھتی ہے۔

گورنمنٹ اسکو قرض نہیں سمجھتی۔ قرض سمجھتی تو اسکی فیس نہ لیتی بلکہ اسکا سود دیتی جیسا کہ گورنمنٹ کا قرض کی نسبت عام دستور ہے اور روپیہ بھیجنے والے لوگ بھی اسکو قرض خیال نہیں کرتے وہ اسکو قرض سمجھتے تو بجاے فیس دینے کے اسکا سود طلب کرتے اور جو لوگ سود لینا جائز نہیں سمجھتے وہ گو سود نہ لیتے مگر خود ہی سود یعنے فیس تو نہ دیتے۔ اسکے کچھ معنی نہیں ہیں کہ جو شخص قرض دے وہی سود بھرے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

منی آرڈر اور اسکی نظیر ہنڈوی کی خیر صورت کو اجارہ قرار دینے پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اجیر امین ہوتا ہے اور وہ چیز جسکے متعلق اُس سے کام لیتا ہو اُسکے ہاتھ میں امانت ہوتی ہے - اسمیں اُسکو تبدیل و تصرف جائز نہیں ہوتا اور اجیر ضمان (تاوان) سے بری ہوتا ہے اور منی آرڈر اور ہنڈوی میں یہ امور پائے نہیں جاتے -

روپیہ جسکا منی آرڈر یا ہنڈوی کے ذریعہ سے پہنچانا مقصود ہوتا ہے بعینہ پہنچایا نہیں جاتا وہ گورنمنٹ کے خزانہ یا مہاجن کے غلہ میں داخل ہوتا ہے اور اُسکے بدلے دوسرا روپیہ مرسل الیہ کو دلوایا جاتا ہے - وہ روپیہ مرسل الیہ کو نملے تو گورنمنٹ یا مہاجن سے اُسکا تاوان لیا جاتا ہے پھر یہ اجارہ کیونکر ہوا - اسکا جواب یہ ہے کہ روپیہ چونکہ مثلیات سے ہے یعنے ایک دوسرے کی مانند ہے اسلئے مالک روپیہ کیطرف سے گورنمنٹ اور مہاجن کو اجازت ہوتی ہے کہ وہ چاہیں تو بعینہ وہی روپیہ دوسری جگہہ بھجوا دیں اور چاہیں اُس کی مانند دوسرا روپیہ وہاں سے دلوا دیں - اس تصرف و تبدیل سے جو مالک کی اجازت سے ہوتا ہے گورنمنٹ یا مہاجن کا اجیر (یا امین) ہونا باطل نہیں ہوتا جیسے اس شخص کا امین ہونا باطل نہیں ہوتا جسکو کوئی اپنا روپیہ بطور امانت دے - اور اسکے ساتھ یہ اجازت بھی دیدے کہ وہ اِس روپیہ کو اپنے روپیہ میں ملا دے و بنا بر آں علیہ وہ اِس روپیہ کو اپنے روپیہ میں ملا کر صرف کرتا رہے - اِسصورت میں امین اُسکا شریک ہوگا جو روپیہ وہ صرف کریگا وہ اُسکے حصہ میں محسوب ہوگا جو باقی رہیگا اُسمیں مالک روپیہ کا حصہ ہوگا وہ روپیہ آفت سماوی سے تلف ہوگا تو امین اُسکا ذمہ دار نہوگا کتاب[۱] ہدایہ میں جو یہ لکھا ہے کہ اگر امین

---

[۱] قال وان خلطها المودع بماله حتی لا یتمیز ضمنها ثم لا سبیل للمودع

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مالِ امانت کو اپنے مال میں ملا دے تو وہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک (ذمہ دار) ذمہ دار ہوتا ہے وہ ایسی صورت میں ہے کہ امین بلا اجازت مالک اسکی امانت کو اپنے مال سے ملا دے - اور اگر وہ اسکی اجازت سے ملا دے تو کسیکے نزدیک ذمہ دار نہیں بنتا بلکہ بالاتفاق شریک قرار پاتا ہے یہی وجہ ہے کہ اگر قدرتی اسباب سے فعل اختیاری امین کے بغیر مال امانت امین کے مال میں ملجاوے تو اس صورت میں امام ابوحنیفہ کے نزدیک بھی امین ذمہ دار نہیں ہوتا بلکہ باتفاق ائمہ ثلثہ وہ شریک متصور ہوتا ہے -

رہا جواب اسبات کا کہ گورنمنٹ یا مہاجن اجیر ہے تو ان کو روپیہ کا ذمہ وار کیوں بنایا جاتا ہے سو یہ ہے کہ گورنمنٹ یا مہاجن اجیر خاص نہیں ہیں کہ وہ روپیہ پہنچانے کے ذمہ دار نہوں بلکہ وہ مشترک اجیر ہیں - جو درصورت نقصان کے ان کے اختیاری فعل سے ذمہ دار

علیہا عند ابی حنیفۃ رح وقالا اذا خلطہا بجنسہا شرکہ ان شاء مثل ان یخلط الدراہم البیض بالبیض والسود بالسود والحنطۃ بالحنطۃ والشعیر بالشعیر لہما انہ لا یمکنہ الوصول الی عین حقہ صورۃ وامکنہ معنیً بالقسمۃ منہ فکان استہلاکا من وجہ دون وجہ فیمیل الی ایہما شاء ولہ انہ استہلاک من کل وجہ لانہ فعل تعذر معہ الوصول الی عین حقہ ولا معتبر بالقسمۃ لانہا من موجبات الشرکۃ فلا تصلح موجبۃ لہا × × × قال وان اختلطت بمالہ من غیر فعلہ فہو شریک لصاحبہا کما اذا انشق الکیسان فاختلطا لانہ لا یضمنہا لعدم الصنع فیشترکان وہذا بالاتفاق (ہدایہ صفحہ ۲۵۸ و ۲۵۹ ج ۳)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوگئے ہیں ہدایہ میں ہے کہ دھوبی کپڑے کو پھاڑ دے یا قلی پاؤں پھسلا کر

لہ قال الاجراء علی ضربین اجیر مشترک واجیر خاص فالمشترک
من لا یستحق الاجرۃ حتی یعمل کالصباغ والقصار الخ والمتاع امانۃ
فی یدہ فان ھلک لم یضمن شیئاً عند ابی حنیفۃؒ وھو قول زفرؒ
ویضمنہ عندھما الا من شئ غالب کالحریق الغالب والعدو المکابر
لھما ما روی عن عمر وعلی رضی اللہ عنھما انھما کانا یضمنان الاجیر
المشترک ولان الحفظ مستحق علیہ اذ لا یمکنہ العمل الا بہ فاذا ھلک
بسبب یمکن الاحتراز عنہ کالغصب والسرقۃ کان التقصیر من جہتہ
فیضمنہ کالودیعۃ اذا کانت باجر بخلاف ما لا یمکن الاحتراز عنہ
کالموت حتف انفہ والحریق الغالب وغیرہ لانہ لا تقصیر من جہتہ
ولابی حنیفۃؒ ان العین امانۃ فی یدہ لان القبض حصل باذنہ
ولھذا لو ھلک بسبب لا یمکن الاحتراز عنہ لا یضمنہ ولو کان مضمونا
لضمنہ کما فی المغصوب والحفظ مستحق علیہ تبعاً لا مقصوداً ولھذا
لا یقابلہ الاجر بخلاف المودع بالاجر لان الحفظ مستحق علیہ مقصوداً
حتی یقابلہ الاجر قال وما تلف بعملہ کتخریق الثوب من دقہ وزلق
الحمال وانقطاع الحبل الذی یشد بہ المکاری الحمل وغرق السفینۃ
من مدہ مضمون علیہ (ھدایہ صفحہ ۲۹۰ ج ۳) قال ومن استاجر
خبازا لیخبز لہ فی بیتہ قفیزا من دقیق بدرھم لم یستحق الاجر حتی
یخرج الخبز من التنور لان تمام العمل بالاخراج فلو احترق او سقط
من یدہ قبل الاخراج فلا اجر لہ للھلاک قبل التسلیم فان اخرجہ
ثم احترق من غیر فعلہ فلہ الاجرۃ لانہ صار مسلما بالوضع فی بیتہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بوجہ کا نقصان کر دے یا ملاح بیجا حرکت سے ناؤ ڈبو دے تو وہ سبب ذمہ وار نہیں۔ یہ بھی ہدایہ میں لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص نان بائی کو روٹی پکانے کے لئے اپنے گھر میں اجیر مقرر کرے تو وہ اجرت کا مستحق تب ہی ہوتا ہے جبکہ وہ روٹی پکا کر نکال دے۔ اور اگر روٹی تنور میں جل جائے یا اُس کے ہاتھ سے گر پڑے تو وہ اجرت کا مستحق نہیں ہوتا۔

مبسوط میں ہے کہ وہ اس نقصان کا ذمہ وار ہے کیونکہ وہ نقصان اُسکی کوتاہی سے ہوتا ہے۔ ایسا ہی عینی نے ہدایہ کی شرح میں کہا ہے۔

مسئلہ (۴۴)

جس قرض کے عوض میں کوئی چیز رہن رکھی گئی ہو وہ اس قرض کی مانند ہے جس میں رہن نہ ہو اور اس قرض کا سود لینا ویسا ہی حرام جیسے بلا رہن قرض کا سود لینا۔

تمثیل

ہماری دیار ہند میں رسم ہے کہ لوگ زیور گرو رکھکر قرض لیتے ہیں تو اس روپیہ کا بھی سود دیتے ہیں۔ اس زیور کو مرتہن اپنے کام میں لاوے خواہ بطور امانت رکھا رہنے دے۔

اس صورت رہن میں سود لینا بھی اس صورت کی مانند ہے جو زمانہ نزول

ولا ضمان علیہ لانہ لم یوجد منہ الجنایۃ قال رضی اللہ عنہ وھذا عند ابی حنیفہ رح لانہ امانۃ فی یدہ وعندھما یضمن مثل دقیقہ ولا اجر لہ لانہ مضمون علیہ فلا یبرا الا بعد حقیقۃ التسلیم وان شاء ضمن الخبز واعطاہ الاجر (ھدایہ صفحہ ۲۷۹ ج ۳) قولہ فلا اجر لہ فی المبسوط ھو ضامن لان ھذا جنایۃ ید (عینی حاشیہ صفحہ ۲۷۹)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آیت ربا میں مروج تھی بلکہ یہ صورت اُس صورت سے بڑھکر ہے کیونکہ وہاں صرف میعاد کے عوض نقد سود لیا جاتا تھا یہاں علاوہ نقد رقم سود کے ایک چیز مرہون سے بھی نفع اُٹھایا جاتا یا اُٹھایا جا سکتا ہے۔ لہذا اس صورت کی حرمت بھی اُسی نص قرآنی سے ثابت ہے جو اس سے کمتر صورت کو حرام کرتی ہے۔

مسئلہ (۵)

رہن والے قرض سے روپیہ نقد کے علاوہ کسی قسم کا نفع اُٹھانا ویسا ہی داخل سود ہے جیسے نقد روپیہ کا فائدہ اُٹھانا۔

ہماری دیار میں رسم ہے کہ لوگ اراضی و مکانات سکنی رہن رکھکر اُسکے عوض میں ایک میعادِ معین تک قرض دیتے ہیں پھر اُن اراضی و مکانات سے کوئی تو اسطور سے فائدہ اُٹھاتا ہے کہ زمین مزارعین کو ایک رقم معین پر اجارہ دیدی اور مکان رہنے والوں کو کرایہ پر دیا۔ یا یہ معاملہ خود راہن سے کیا اُسکے قبضہ میں زمین و مکان کو رہنے دیا اور اُس سے قبولیت نامہ یا کرایہ نامہ لکھا کر اُس سے نقد روپیہ اجارہ یا کرایہ کا وصول کر لیا۔ اور کوئی اراضی مکان کو خود اپنی کاشت و سکونت کے کام میں لاتا ہے اور اُس زمین کی پیداوار اور مکان کے استعمال کا فائدہ اُٹھاتا ہے۔ اور اگر میعاد معین سے پہلے مالک زمین یا مکان رہن کو اُسے چھڑانا چاہیے تو وہ لوگ ہرگز نہیں چھوڑتے بجز اسحالت و شرط کے کہ وہ میعاد مقررہ تک منافع[1]

---

[1] ایسے بہت نظائر ہمارے شہر میں پائے گئے ہیں۔ انہی میں سے ایک نظیر یہ ہے کہ ایک شخص نے اپنی اراضی کا ایک قطعہ بعوض مبلغ ۵۰ روپیہ ایک شخص کے پاس رہن کیا مرتہن نے دس سال کی میعاد راہن سے لکھالی۔ تاریخ رہن سے اسوقت تک بحساب ۱۲۰ روپیہ سالانہ۔ چھ سو روپیہ منافعہ کا مرتہن کو وصول ہو چکا ہے۔ زیندار راہن فک الرہن کی درخواست کرتا ہے تو مرتہن نہیں مانتا۔ اور یہ کہتا ہے کہ باقیماندہ سالوں کا منافعہ اس حساب سے مجھے دیدے تو میں زمین چھوڑتا ہوں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یا یوں کہیں کہ سود حساب کرکے مرتہن کے حوالہ کرے۔

یہ دونوں طریق انتفاع مرہون اسوقت کے مسلمان خصوصاً حضرات اہلحدیث میں مروج ہیں۔ وہ بے خوف وتردد اراضی ومکانات گرو رکھتے ہیں اور لوگوں کو اجارہ وکرایہ پر دیکر اسکا روپیہ کھاتے ہیں اور خود بھی کاشت وسکونت کے ذریعہ سے انسے نفع اٹھاتے ہیں۔

لاہور میں بعض مجتہدین (مگر بے علم) نے جو مقلدوں خصوصاً حنفیوں کو مسلمان نہیں سمجھتے مکانات گرو رکھکر انمیں خود رہتے ہیں۔

لاہور۔ لودہانہ۔ ہوشیارپور وغیرہ اضلاع پنجاب کے بعض علماء اور انکے اتباع نے اراضی گرو رکھی ہوئی ہیں اور بذریعہ خود کاشت یا اجارہ اس کی آمدنیاں نوشجان فرماتے ہیں۔

یہ صورت انتفاع اراضی ومکان مرہون بہی (خواہ کسی طریق سے ہو) صورت مروجہ زمانہ متدول آیت ربا کی مانند ہے۔ کیونکہ جو نفع اراضی ومکانات کا مرتہن حاصل کرتا ہی وہ اسی میعاد قرض کے عوض میں ہے۔ لہذا اسکی حرمت میں وہی آیت ربا صریح دلیل ہے۔ وعلاوہ براں وہ احادیث جو بضمن تمہید مذکور ہوئی ہیں اس صورت کی حرمت پر روشن دلیل ہیں۔ ان احادیث میں صاف تصریح ہے کہ جس قسم کا نفع قرض سے حاصل ہو وہ سود ہی اور یہ امر ظاہر ہے کہ جو نفع اراضی ومکان مرہون سے مرتہن حاصل کرتا ہے وہ اسی قرض کا نفع ہے اور قرض ہی اسکے وصول کا موجب وموثر ہے۔ جو لوگ اسوقت اراضی ومکان مرہون کا نفع جائز سمجھ کر حاصل کرتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ جو نفع ہم اراضی ومکانات مرہون سے لیتے ہیں وہ زمین مرہون کے مصارف کاشت اور مکان مرہون کے مصارف لپائی وصفائی کے عوض میں ہے اور وہ یہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خیال کرتے ہیں کہ اس نفع کو حلال سمجھنے میں وہ متفرد نہیں ہیں اور نہ بے دلیل مدعی ہیں۔ اس مسئلہ میں امام احمد بن حنبل و اسحق بن راہویہ انکے مقتدا و پیشوا ہیں اور آنحضرت صلعم کی احادیث ذیل سے اس نفع کی حلت پر ان کے دلائل ہیں آنحضرت نے ارشاد کیا ہے کہ جانور مرہون ہو تو اُسپر خرچ کے بدلے سواری کیجاتی ہے اور مرہون جانور کا خرچ بدلے دودھ پیا جاتا ہے۔ اسی مضمون کی ایک حدیث امام احمد نے روایت کی ہے جسمیں مرتہن کے نفع اُٹھانے کا صاف ذکر ہے۔ ایسی ہی ایک حدیث جامع حماد بن سلمہ میں ہے جس میں تصریح ہے کہ جب کوئی بکری گرو رکھے تو اُسکا دودھ بقدر چارہ کے جو اُس نے دیا وہ پئے اور جو دودھ اُس سے بڑھ کر لیگا وہ سود ہوگا۔ مگر اس خیال کو

عن ابی ھریرۃ عن النبی صلعم انہ کان یقول الظھر یرکب بنفقتہ اذا کان مرھونا ولبن الدر یشرب بنفقتہ اذا کان مرھونا وعلی الذی یرکب ویشرب النفقۃ (صحیح بخاری صـــ۳۴۱) وفی لفظ اذا کانت الدابۃ مرھونۃ فعلی المرتھن علفھا ولبن الدر یشرب وعلی الذی یشرب نفقتہ وعند حماد بن سلمۃ فی جامعہ اذا ارتھن شاۃ شرب المرتھن لبنھا بقدر علفھا فان استفضل من اللبن بعد ثمن العلف فھو ربا۔ (نیل صـــ۱۰۲ ج ۵)

توافق رائے امام احمد و اسحق اور استدلال حدیث بخاری وغیرہ میں وہ لوگ سراسر جہالت اور خبط و ضلالت میں مبتلا ہیں۔ نہ امام احمد و اسحق کو اُن کی رائے کو توافق ہے نہ حدیث بخاری وغیرہ سے اُنکا مدعا ثابت ہوتا ہے امام احمد و اسحق کو ان لوگوں کا اس مسئلہ (حلت منافع اراضی مرہونہ) میں اپنا مقتدا و پیشوا سمجھنا اسلئے جہالت ہے کہ امام احمد و اسحق ہرگز اس امر کے قائل نہ تھے کہ اراضی و مکانات کو رہن رکھکر اُنکا منافع اُٹھانا جائز ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وہ تو صرف سواری کے جانور اور دودھ دینے والے جانور مرہون سے خاصکر اُسحالت میں کہ اُنکا خرچ خوراک راہن اپنے ذمہ نہ لے اور وہ خرچ مرتہن کے ذمہ آپڑے بقدر خرچ نفع اُٹھانے (دودھ پینے یا سواری کرنے) کو جائز سمجھتے تھے۔ اِن اماموں سے یہ ہرگز ثابت نہیں کہ وہ جانوروں کے سوا اَور مرہونات اراضی و مکانات وغیرہ سے نفع اُٹھانے کو بھی جائز سمجھتے تھے اور نہ یہ ثابت ہو کہ اگر حیوانات مرہونہ کا خرچ خوراک مرتہن کے ذمہ نہ پڑے بلکہ راہن خود اُسکی ذمہ داری کرے تب بھی مرتہن کو پہنچتا ہے کہ اس خرچ کا ذمہ دار خود بنجاوے اور اس خرچ کے بدلے جانور سے نفع اُٹھاوے اور نہ یہ ثابت ہے کہ خرچ کا ذمہ دار مرتہن کو ہونا پڑے تو اپنے خرچ سے بڑھ کر جسقدر چاہے وہ جانور مرہون سے نفع اُٹھاوے ایک پیسہ کا چارہ دے اور دس پیسہ کا دودھ پیئے یا دن بھر سواری کرتا پھرے۔

یہ تینوں اَمر جنکی ہم نے نفی کی ہے کوئی شخص امام احمد یا امام اسحق سے بسند صحیح اور بتصریح ثابت کرے تو ہر ایک امر کے بدلے ایک سو روپیہ ہم سے انعام لے۔

امام احمد و اسحق تو بڑے اثری و متبع تھے اور دائرہ اتباع حدیث میں محدود و مقید۔ ان سے یہ کیونکر ممکن و متصور تھا کہ وہ اِس خاص حکم کو جو خاص مرہون جانور (جیسے زمین وغیرہ اشیاء کا جو جاندار نہیں قیاس نہیں ہوسکتا[۵]) کے حق میں وارد ہے عام سمجھ لیتے یا اُس حکم کے مورد و محل (جانور) پر ان چیزوں (زمین وغیرہ) کا جو انکے ہم جنس و نظیر نہیں قیاس مع الفارق کرتے۔ سو بھی اس وسعت اور بے قیدی کے ساتھ (جسکے مجوزین انتفاع اراضی مرہونہ قائل ہیں)

[۵] اسکی تفصیل عنقریب ہوگی جو بان لوگوں کی ضلالت استدلال و فہم حدیث بخاری وغیرہ میں ثابت کیجائیگی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نمبر نہم جلد دوازدہم

کہ گو مرتہن خرچ مرہون کا زیر بار ہو تہو اور گو اُسکا نفع اُٹھانا قدر خرچ مرہون سے زائد ہو۔

یہ جرأت تو کوئی محض اہل الرائے اور قائل قیاس ہی نہیں کر سکتا پھر اصحاب الحدیث اور اہل اثر سے یہ امر کیونکر ممکن ہے۔ ائمہ محدثین نے اِس حدیث سے تمسک و استدلال کیا ہے تو اِس سے خاصکر سواری کرنے اور دودھ پینے کے جانور سے بعوض خرچ نفع اُٹھانے کا جواز استنباط کیا ہے عام مرہونات اراضی و مکانات سے نفع اُٹھانے کے جواز کا استنباط نہیں کیا۔ اور اِس تخصیص حیوانات کے ساتھ یہ امر بھی بتصریح بیان کر دیا ہے کہ راہن اِن جانوروں کا خرچ اپنے ذمہ نہ لے وہ خرچ مرتہن کے ذمہ آپڑے تو وہ اُس سے بعوض خرچ نفع اُٹھاوے اور یہ بھی بتصریح کہدیا ہے کہ صورت ذمہ داری میں بھی مرتہن اُسیقدر نفع اُٹھاوے جسقدر خرچ کرے اور ایسا ہی امام احمد و اسحٰق سے منقول ہے۔

محدثین متقدمین کے امام امام بخاری نے اپنی کتاب صحیح میں فرمایا

باب الرهن مركوب ومحلوب وقال المغيرة عن ابراهيم تركب الضالة بقدر علفها وتحلب بقدر علفها والرهن مثله الى ان ذكر الحديث (البخاري صـ ۳۴۱)

ہے کہ یہ باب اِس بیان میں ہے کہ جانور مرہون پر سواری کیجاوے اور اُسکا دودھ پیا جاوے۔ مغیرہ نے ابراہیم سے نقل کیا ہے کہ کسیکا گمشدہ جانور کسیکے ہاتھ آوے تو وہ اُسپر اسقدر سواری کرے جسقدر اُسکو چارہ دے اور اسقدر اُسکا دودھ پیئے جسقدر اُسکو چارہ کہلاوے۔ ایساہی اس جانور کا حکم ہے جو مرہون ہو۔ پھر امام بخاری نے اِس حدیث کو ذکر کیا جس میں مرہون جانور کی سواری اور دودھ پینے کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

محدثین متاخرین کے امام امام شوکانی نے (جو اسوقت کے اہلحدیث ہند و یمن میں امام تسلیم کئے جاتے ہیں) کتاب درر بہیہ میں فرمایا ہے خرچ کے بدلے مرہون جانور پر سوار ہوں اور اُسکا دودھ پئیں پھر اُسکی شرح میں حدیث مذکورہ کو ذکر کرکے کہا ہے کہ اسے (یعنے جانور کی سواری کرنے

> یجوز رهن ما یملکہ الراهن فی دین علیہ والظهر یرکب واللبن یشرب بنفقة المرهون الی ان ذکر الحدیث وقال وقد ذهب الی ذلك احمد و اسحق واللیث والحسن وغیرهم ۔
> (دراری مضیہ شوکانی)

اور دودھ پینے کے) کے قائل امام احمد و اسحق ولیث وحسن وغیرہ ہیں ۔ اور امام شوکانی نے نیل الاوطار میں کہا ہے کہ امام اوزاعی اور لیث اور ابو ثور فرماتے ہیں کہ احادیث مذکورہ کے یہ معنی ہیں کہ راہن مرہون کا خرچ خوراک دینے سے انکار کرے تو مرتہن کو اس سے بعوض خرچ نفع اُٹھانا جائز ہے ۔

> وقال الاوزاعی واللیث وابو ثور انہ یتعین حمل الحدیث علی ما اذا امتنع الراهن من الانفاق علی المرهون فیباح حینئذ للمرتهن ۔
> (نیل ص ۱۰۳ ج ۵)

ترمذی و ابو داؤد نے اس حدیث کو اپنی سنن میں وارد کیا ہے تو بجز سواری اور دودھ والے جانور کے کسی اَور مرہون چیز (زمین یا مکان) کا نام نہیں لیا ۔ اور ترمذی نے اسی سواری و دودھ پلانے والے جانور مرہون سے بعوض خرچ نفع اُٹھانے کا قائل امام احمد کو ٹھہرایا ہے ۔

طیبی نے مشکوٰۃ کی شرح میں کہا ہے کہ امام احمد و اسحق اس امر کے قائل ہیں کہ مرتہن جانور مرہون سے صرف سواری کرنے اور دودھ پینے کا فائدہ

> وقال احمد و اسحق للمرتهن ان ینتفع من المرهون بالحلب والرکوب دون

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

غیرھما بقدر النفقۃ واحتجا بھذا الحدیث۔ (طیبی شرح مشکوۃ ومثلہ فی شرح السید جمال الدین)

بقدر اس خرچ کے جو جانور پر کرے اُٹھا سکتا ہے اِسکے سوا اَوْر کسی قسم کا فائدہ اُٹھانا اُسکو جائز نہیں ہے۔ اور اِس دعوی پر امام احمد و اسحق نے اِس حدیث سے تمسک کیا ہے ایسا ہی سید جمال الدین نے شرح مشکوۃ میں کہا ہے۔ ان اقوال وعبارات سے صاف ثابت ہے کہ امام احمد و اسحق یا کوئی اَور امام و محدث اِس بات کا قائل نہیں ہے کہ بجز سواری یا دودھ دینے والے جانور مرہون کے اَوْر کسی چیز زمین یا مکان سے مرتہن کو نفع اُٹھانا جائز ہے اور خاص کر سواری اور دودھ پینے کے جانور سے نفع اُٹھانے کو بھی وہ اس حالت میں جائز نہیں رکھتے کہ راہن اسکا خرچ اپنے ذمہ لے مرتہن کے ذمہ وہ خرچ نہ پڑے اور نہ یہ جائز رکھتے ہیں کہ مرتہن اپنے خرچ سے بڑھ کر جسقدر چاہے مرہون جانور سے نفع اُٹھاوے۔ زمانہ حال کے جاہل مجتہدین فرقہ اہلحدیث جو زمین وغیرہ مکانات کا نفع اُٹھانا جائز سمجھتے ہیں اور پھر اسمیں بھی دو قیود وشروط نہیں لگاتے۔ (۱) کہ راہن ذمہ واری مصارف مرہون سے انکار کرے۔ (۲) اسکا نفع اُٹھانا خرچ کے برابر ہو۔ اِسمیں کوئی مسلمان انکا امام پیشوا نہیں ہے۔ وہ سراسر جہالت کرتے ہیں کہ اس نفع کی تجویز میں امام احمد و اسحق کو اپنے پیشوا سمجھتے ہیں۔

احادیث مذکورہ کے فہم اور ان سے تمسک و استدلال کرنے میں ان لوگوں کے خبط و ضلالت کی وجہ ثبوت یہ ہے کہ ان احادیث بخاری وغیرہ میں مرتہن کو خاص کر جانور مرہون کے خرچ (چارہ) کے عوض میں سے نفع اُٹھانے کی اجازت پائی جاتی ہے جو دوسری احادیث و نصوص سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دو شرطوں سے مشروط معلوم ہوتی ہے۔ شرط اول یہ کہ مرہون جانور کا خرچ راہن اپنے ذمہ نہ لے اُسکو مرتہن کے ذمہ ڈالدے۔ شرط دوم یہ کہ مرتہن جسقدر اس جانور کے چارہ پر خرچ کرے اسیقدر یعنی اُسی قیمت و مقدار کا اُس سے نفع اُٹھاوے اُسپر کچھ زیادتی نہ کرے۔

شرط اول اس حدیث سے ثابت ہے جو ابوہریرہ سے امام شافعی و دارقطنی وغیرہ نے نقل کی ہے کہ مرتہن مرہون کو راہن سے بند نہیں کرلیتا اسیکو رہن کے فوائد و زوائد پہنچتے ہیں اور اسی پر اسکا نقصان پڑتا ہے یعنی رہن کے بعد اگر مرہون سے کچھ پیدا ہو مثلاً لونڈی مرہونہ بچہ جنے یا گائے بھینس مرہون سے بچھڑا کٹیا پیدا ہوا اور وہ دودھ دینے لگے یا مرغی انڈے دے تو ان زوائد و فوائد کا مستحق راہن ہوتا ہے نہ مرتہن اور اگر مرہون لونڈی و غلام جاہیر تو وہ راہن کے مرگئے۔ مرتہن کے روپیہ کو اُنکی موت سے کچھ نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ بلکہ اُسکے تجہیز و تکفین کا خرچ بھی راہن کے ذمہ پڑتا ہے مرتہن اس سے بھی بری ہے

عن ابی ہریرۃ عن النبی صلعم قال لایغلق الرھن الرھن عن صاحبہ الذی رھنہ لہ غنمہ وعلیہ غرمہ رواہ الشافعی والدارقطنی وقال ھذا حسن متصل (منتقی)

الحدیث اخرجہ ایضا الحاکم والبیہقی وابن حبان فی صحیحہ واخرجہ ایضا ابن ماجہ من طریق اخری وصحح ابوداؤد والبزار والدارقطنی وابن القطان ارسالہ عن سعید بن المسیب بدون ذکر ابی ہریرۃ × × × قولہ لہ غنمہ وعلیہ غرمہ فیہ دلیل لمذھب الجمھور المتقدم لان الشارع قد جعل الغنم والغرم للراھن ولکنہ قد اختلف فی وصلہ وارسالہ ورفعہ ووقفہ وذلک مما لا یوجب انتہاضہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لمعارضته ما فی صحیح البخاری وغیرہ کما سلف۔ (نیل صفحہ ۱۰۴ ج ۵)	اس حدیث کے وصل وارسال اور رفع اور وقف میں گو اختلاف ہے

مگر اس اختلاف کے ساتھ اسکے مضمون کی صحت میں کسیکا اختلاف نہیں کوئی یہ نہیں کہتا کہ رہن کے بعد راہن کا حق مرہون سے متعلق نہیں رہتا۔ مرتہن اسکا مالک و مستحق ہو جاتا ہے۔ مثلاً مرہون لونڈی کو بچہ پیدا ہو تو وہ مرتہن کا ہو جاتا ہے۔ اور اگر وہ لونڈی مرجائے تو مرتہن کا مال گیا۔ اور اس کا حق دین ساقط ہوا۔ لہذا اس حدیث کے معنے کی نظر سے وہ اختلاف لائق لحاظ نہیں ہے۔ اور بنظر معنے یہ حدیث بالاتفاق صحیح اور واجب العمل ہے۔ اور اس معنی کر یہ حدیث احادیث صحیح بخاری کے (جسمیں مرتہن کو بعوض خرچ نفع اٹھانے کی اجازت دیگئی ہے) شرح کرتی ہے اور اسکی شرط بتاتی اور اس کے یہ معنے کرتی ہے کہ درحقیقت مرہون کے جملہ فوائد وزوائد کا مستحق ومالک راہن ہے۔ اور اگر راہن مرہون جانور کا خرچ اپنے ذمہ نہ لے اور وہ مرتہن کے ذمہ آپڑے تو اسکو بھی بقدر خرچ مرہون جانور سے صرف دو قسم کا نفع لینا (۱) اسکا دودھ پینا (۲) اسپر سوار ہونا جائز ہے۔ لہذا یہ حدیث احادیث بخاری کے معارض ومخالف نہ ہوئی بلکہ موافق ومؤید ٹھری۔ امام شوکانی نے جو اس حدیث کو حدیث بخاری کے معارض قرار دیکر حدیث بخاری کو ترجیح دی ہے یہ بھی ایک انکی غلطی ہے۔ جسمیں انہوں نے اس اصول محدثین کی مخالفت کی ہے کہ دو حدیثوں کو باہم متفق کرنا ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے سے مقدم ہے۔ دوسری شرط کے ثبوت پر ایک تو یہی حدیث دلیل ہے جو شرط اول کی مثبت ہے۔ جب احادیث سے ثابت ہوا کہ جملہ فوائد وزوائد مرہون کا مالک راہن ہے تو اس سے باستعانت دوسری صدہا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان اللہ یامرکم ان تودوا الامانات الیٰ اھلھا واذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل۔
(نساء ع ۸)
وان عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم (نحل ع ۱۶)

نصوص قرآن وحدیث کے کہ از انجملہ دو آیتیں حاشیہ میں منقول ہیں اور ان سے ثابت ہے کہ کسیکے مال میں بلا اذن کوئی تصرف کرے تو اوس میں عدل کرے۔ اور اسکا مساوی عوض دے) یہ صاف اور یقینی نتیجہ نکلتا ہے کہ جانور مرہون سے مرتہن اسیقدر فائدہ اُٹھاسکتا ہے جسقدر اُس کا مال مرہون پر صرف ہوا ہے۔ اسپر وہ زیادتی کریگا۔ تو مال غیر پر بلا وجہ و ناحق متصرف ہوگا۔

دوسری دلیل حماد بن سلمہ سے حدیث ہے جسکو مجوزین منافع اراضی مرہون اپنے خیال کی تائید میں پیش کر چکے ہیں۔ اس حدیث میں صاف تصریح ہے کہ مرتہن جسقدر جانور مرہون کو چارہ دے اسیقدر اسکا دودہ پئے۔ اُس سے زیادہ دودہ پئیگا تو وہ سود ہوگا۔ (دیکھو صفحہ ۲۵ رسالہ ہذا)

تیسری دلیل یہ کہ جو نفع مرہون جانور کا وہ اپنے خرچ سے بڑھکر اُٹھاتا ہے اُسکا عوض بجز قرض اور اوسکی میعاد کے کوئی نہیں ہے اور احادیث مذکورہ بضمن تمہید سے ثابت ہے کہ جو نفع قرض سے حاصل ہو وہ سود ہے۔

اِس بیان سے ثابت ہو کہ احادیث مذکورہ میں جو مرتہن کو رہن سے فائدہ اُٹھانے کی اجازت ہے وہ خاصکر جانور مرہون کے متعلق ہے۔ اور اُسمیں علاوہ خصوصیت محل دو قیدیں اور شرطیں اور بھی ملحوظ شارع ہیں۔ ایک یہ کہ راہن جانور مرہون کا خرچ اپنے ذمہ نہ لے۔ مرتہن اس خرچ کا زیر بار ہو جائے دوسری یہ کہ مرتہن بقدر خرچ نفع اُٹھائے۔ اسپر زیادتی نہ کرے۔ اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور یہ بات ظاہر ہے کہ زمین یا مکان جانور کے جنس نہیں ہیں تاکہ وہ احادیث اپنی نص والفاظ سے انکو شامل ہوں۔ اور نہ وہ اسکی نظیر ہو سکتے ہیں تاکہ زمین کا قیاس جانور پر ہو سکے۔ کیونکہ جانور ایک متہلک چیز ہے اسکو گھاس ودانہ نہ ملے تو وہ تھوڑی مدت میں ہلاک ہو جائے۔ اور زمین یا مکان ایسے نہیں کہ انکو کھانے کو نہ ملے تو وہ تلف وہلاک ہو جائیں۔ زمین کا خرچ کاشت ومعاملہ سرکاری۔ اور مکان سکنی کا خرچ لپائی ومرمت ایسے نہیں کہ اگر مرتہن ان خرچوں کا فوراً کفیل نہو تو زمین یا مکان تلف وہلاک ہو جائیں اور مرتہن کا حق رہن باطل ہو جائے بلکہ یہ خرچ ایسے ہیں کہ مرتہن راہن سے بتدریج کرالے (جیسے زمین یا مکان کے مستاجر مالک زمین یا مکان سے اس قسم کے خرچ ٹکس سرکاری ولپائی ومرمت وغیرہ کراتے ہیں) تو پھر بھی اس کا کچھ نقصان نہو۔

اور یہ بات بھی ظاہر اور معلوم ہے کہ جو لوگ اراضی ومکان مرہون کا نفع اٹھاتے ہیں وہ نہ اس شرط کی پابندی کو ضروری سمجھتے ہیں کہ راہن اراضی ومکان کے مصارف مذکورۂ بالا سے انکاری ہو تو وہ اپنا صرف کر کے اس سے فائدہ اٹھاویں اور نہ اس شرط کی پابندی ضروری جانتے ہیں کہ جسقدر وہ مصارف ضروری کریں اسیقدر فائدہ اٹھاویں اسپر کچھ زیادتی نکریں۔ اس سے اہل انصاف وتدین صاف نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ ان احادیث کی آڑ پکڑ سے (جو خاصکر جانوروں کے حکم سے مخصوص ہیں۔ اور دو شرطوں سے مشروط ومقید ہیں) ان لوگوں کا زمین ومکان کے منافع کو جائز سمجھنا اور پھر اسمیں ان دو شرط کی قید اٹھاکر بے قیدی اور مطلق العنانی اختیار کرنا سراسر ضلالت وبے دینی ہے جسمیں انکا کوئی پیشوا مقتدا نہیں ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۶)

مسئلہ

مرہون چیز (سواری - مکان - زمین وغیرہ) سے مرتہن کو ایسا نفع اٹھانا جس کا عوض قرض یا میعاد قرض نہ ہو بلکہ وہ سابق راہ ورسم کے لحاظ سے بلا عوض ہو یا اسکا عوض جداگانہ دستور کے مطابق ادا کیا گیا ہو داخل سود نہیں ہے۔

مثلاً ایک شخص نے اپنا گھوڑا کسی کے پاس رہن رکھا۔ اور ان میں اس رہن سے پہلے یہ معمول و دستور جاری تھا۔ کہ مرتہن اس گھوڑے پر بلا عوض بطور عاریت سوار ہوا کرے۔ یا وہ راہن کے اور اشیاء مستعار لیا کرتا تو اس رہن کے بعد بھی اگر وہ اس گھوڑے پر سوار ہو تو وہ داخل سود نہیں۔ ایسا ہی اگر مرتہن اس گھوڑے کا مقررہ کرایہ راہن کو دیکر اس پر سوار ہو تو وہ بھی داخل سود نہیں ہے

اس مسئلہ کے دلیل خود اس مسئلہ کا عنوان و بیان ہے جس سے صاف ثابت ہے کہ اس صورت میں جو نفع مرتہن کو حاصل ہوتا ہے۔ وہ بعوض قرض یا میعاد قرض نہیں ہے بلکہ وہ سابق راہ ورسم کے سبب سے یا جداگانہ عوض کے مقابلہ میں ہے۔

اور حدیث ممانعت انتفاع مرہون کا وہ جملہ جس میں سابق راہ ورسم کے لحاظ

الا ان یکون جری بینہ وبینہ قبل ذالک (صہ ۲۴۲ رسالہ ہذا)

میں انتفاع کی اجازت دی گئی ہے نیز اس مسئلہ کی دلیل ہے۔

اسی جملہ سے جداگانہ عوض کے مقابلہ میں مرہون سے نفع اٹھانے کی اجازت ثابت ہے۔ کیونکہ یہ امر بھی ایک رسم و دستور میں داخل ہے۔

اس مسئلہ کے فروعات یا جزئیات سے ایک مسئلہ یہ بھی ہے۔ اگر مرتہن زمین مرہون کا مستاجر بن کر زمین کو اپنی کاشت میں لاوے۔ یا راہن مالک زمین کے سوا[1]

[1] یہ قید اس لئے لگائی گئی ہے۔ کہ اگر مرتہن مالک زمین کو کاشت کرنے کے لئے زمین دی اور اس سے پیداوار کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کسی اورسی کاشت کراوے اور اسکے پیداوار سے مالک زمین کو اس قدر حق مالکانہ ادا کرتا ہے جس قدر مستاجر جو مرتہن نہو مالک زمین کو حق مالکانہ زمین (جس میں قرض ورہن کا کوئی دخل نہیں ہوتا) ادا کرتا ہے۔ تو اس صورت سے مرتہن کو زمین مرہون سے نفع اٹھانا داخل سود نہیں ہے۔ کیونکہ یہ نفع بعوض قرض نہیں۔ بلکہ بعوض کاشت ہی جو مرہونہ اراضی سے ہر ایک مستاجر کاشت کار کو حاصل ہوتا ہے۔

مسئلہ

قرض ادا کرنے کے وقت اگر مدیون راہن کو اصل رقم قرض کے علاوہ کچھ نقد یا جنس (جو پہلے سے شرط یا معروف نہو) دیدے تو یہ داخل سود نہیں ہے۔ بلکہ احسان یا حسن القضاء کہلاتا ہی کتاب منتقی الاخبار میں یہ مسئلہ بیان کیا ہے۔ اور اس پر احادیث ذیل سے استدلال کیا ہے۔

باب جواز الزیادة عند الوفاء والنهی عنها قبله عن ابی هریرة قال کان لرجل علی النبی صلی الله علیه وسلم سن من الابل فجاء یتقاضاه فقال اعطوه فطلبوا سنه فلم یجدوا الا سنا فوقها۔ فقال اعطوه فقال اوفیتنی اوفاك الله۔

ابوہریرہ سے روایت ہے۔ کہ آنحضرت صلعم نے ایک شخص کا ایک اونٹ قرض دینا تھا وہ آکر تقاضی ہوا تو آپنے فرمایا اسکا حق ادا کرو اصحابنے تلاش کیا تو اوس کے اونٹ سے بہتر (بڑا یا فربہ) ہی ملا آپنے فرمایا یہی دیدو۔ پھر فرمایا تم میں سے بہتر وہ شخص ہے

حصہ لینا۔ ٹھہرا لے تو یہ جائز نہیں ہے کیونکہ مالک زمین اپنی زمین کا خود مستاجر نہیں بن سکتا ہے اور وہ اسکے کاشت میں مرتہن کا نائب ہو سکتا ہے۔ لہذا اسکے واسطہ سے مرتہن منافع اراضی کا مستحق نہیں بن سکتا۔ اس صورت میں مرتہن کو پیداوار زمین سے نفع اٹھانا محض سود ہوگا۔ جسکا عوض بجز قرض کچھ نہیں ہو سکتا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان خیرکم احسنکم قضاءً۔ وعن جابر قال اتیت النبی صلعم وکان لی علیہ دین فقضانی وزادنی متفق علیہ۔ منتقی الاخبار ص۳۰۹

جو قرض سے بہتر ادا کرے۔ اور جابر سے روایت ہے۔ کہ انہوں نے کہا۔ میں آنحضرت صلعم کے پاس اپنا قرض لینے کو آیا تو آپ نے وہ قرض ادا کیا اور اس پر کچھ بڑھا دیا۔

اور اس کے شرح نیل الاوطار میں ہے۔ کہ اس حدیث ابوہریرہ میں یہ پایا جاتا ہے

فیہ جواز رد ما ھو افضل من المثل المقترض اذا لم تقع شرطیۃ ذلک فی العقد وبہ قال الجمھور وعن المالکیۃ ان کانت الزیادۃ بالعدد لم یجز وان کانت بالوصف جازت ویرد علیھم حدیث جابر المذکور فی الباب فانہ صرح بان النبی صلی اللہ علیہ وسلم زادہ والظاھر ان الزیادۃ کانت فی العدد وقد ثبت فی روایۃ البخاری ان الزیادۃ کانت قیراطا۔ واما اذا کانت الزیادۃ مشروطۃ فی العقد فتحرم اتفاقا ولا یلزم من جواز الزیادۃ فی القضاء علی مقدار الدین

کہ جو قرض لیا جائے۔ اس سے بہتر ادا کیا جائے اور یہی جمہور علما کا قول ہے۔ اور مالکیوں سے منقول ہے۔ کہ عدد میں زیادتی ہو تو جائز نہیں ہے۔ وصف میں ہو (جیسے دُبلے اونٹ کے بدلے فربہ) تو جائز ہے۔ مگر یہ قول جابر کی حدیث سے جو اس باب میں مذکور ہوئی رد ہوتا ہے۔ اس میں صاف بیان ہے کہ آنحضرت صلعم نے کچھ زیادہ دیا۔ بخاری کی روایت میں صاف آیا ہے۔ کہ وہ قیراط (دانگ کا نصف)* تھا اور اگر کچھ زیادہ دینے لینے کی شرط پہلے سے ہو چکی ہو تو پھر زیادتی بالاتفاق حرام ہے۔ اس زیادتی کے جو بروقت ادائے دین دی جاتی جائز ہونے سے یہ لازم نہیں آتا۔ کہ ادائے دین سے پہلے قرض خواہ کو ہدیہ دینا جائز ہو۔ کیونکہ وہ رشوت ہے

* دانگ درہم کا چھٹا حصہ ہوتا ہے۔ درہم چوانی کے قریب ہوتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جو جائز نہیں ہے۔ چنانچہ انس کی حدیث (جو اس باب میں منقول ہیں) اور ابن سلام کا اثر (مشہور) عدم جواز کے مثبت ہیں۔ ایسے ہی وہ زیادتی بالاتفاق حرام ہے۔ جس کا لینا دینا معروف و مروج ہو گو قرض دینے کے وقت اس کے لینے کی شرط نہ ہوئی ہو کیونکہ کتب فقہ (اشباہ والنظائر وغیرہ) اور کتب حدیث (صحیح بخاری[1] وغیرہ) میں تفصیل و بادلیل ثابت ہے۔ "المعروف کالمشروط" یعنے جو امر معروف و مروج ہو وہ ایسا ہے جیسا کہ صریح شرط کیا گیا۔

جواز الهدية ونحوها قبل القضاء لانها بمنزلة الرشوة فلا تحل كما يدل عليه حديثا انس المذكوران في الباب واثر عبد الله بن سلام (نیل ص ۹۹)

(۸)

مسئلہ

دین کی بیع جائز نہیں[2] دین سے ہو خواہ عین سے مگر عین سے اسکے بیع مدیون کے ہاتھ جائز ہے۔

[1] باب من اجرى امر الامصار على ما يتعارفون بينهم في البيوع والاجارة في الوزن وسننهم على نياتهم ومذاهبهم المشهورة وقال شريح للغزالين سنتكم بينكم وقال عبد الوهاب عن ايوب عن محمد لا باس العشرة باحد عشر ويأخذ للنفقة ربحا وقال النبي صلى الله عليه وسلم لهند خذي ما يكفيك وولدك بالمعروف وقال الله تعالى ومن كان فقيرا فليأكل بالمعروف۔ واكترى الحسن من عبد الله بن مرداس حمارا فقال بكم فقال بدانقين ثم جاء مرة فقال الحمار الحمار فركبه ولم يشارطه۔ صحيح بخاري ص ۱۹۴

[2] دین سے وہ حق مراد ہے۔ جو کسی کے ذمہ واجب ہو۔ (بیع کے ذریعہ سے ہو خواہ بذریعہ قرض) عین سے وہ چیز مراد ہے جو بعینہ مبادلہ کے وقت دی جائے۔ (نقد ہو خواہ جنس)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دین کی بیع دین سے کئی صورتوں سے ہو سکتی ہے۔ ایک صورت یہ کہ عوضین جنکا مبادلہ منظور ہو وہ فوراً حاضر و متعین نہوں صرف وصف و بیان پر ان کا مبادلہ ہو۔ اور یوں کہا جائے۔ کہ مثلاً چند روپیہ کے مبادلہ میں ایک اشرفی دینگے۔ اور دونوں جانب کا اودھار رہے۔
دوسری صورت یہ کہ ایک شخص کا کسی کے ذمہ پر کچھ دین ہو۔ اور دوسرے شخص کا کسی اور کے ذمہ پر وہ دونو اپنے دیون کا مبادلہ کریں۔ اور ایک دوسرے سے کہے کہ میں نے تیرا دین لیا اس کو وصول کر لوں گا۔ تو اسکے مبادلہ میں میرا دین لے اور اس کو وصول کر لے۔
تیسری صورت یہ کہ ایک شخص کا کسی کے ذمہ دین ہو اسکو دوسرا شخص خرید لے مگر جو اسکے بدلے دے۔ اسکا اودھار کرے۔ وعلیٰ ہذا القیاس اور صورتیں ہو سکتی ہیں

دین کی بیع عین سے بھی کئی صورتوں سے ممکن ہے۔
ایک یہ کہ ربوی اشیا کا جو ہم جنس یا ہم معیار (ناپ تول) ہوں باہم مبادلہ کریں اور ان میں سے ایک چیز دم نقد دیں۔ دوسری چیز کا اودھار کریں۔
دوسری صورت یہ ہے۔ کہ ایک شخص کا کسی کے ذمہ کچھ دین ہو۔ اس کو دوسرا شخص خرید لے۔ اور اس کا بدل نقد ادا کرے جیسا کہ اس وقت عام رواج ہے۔ کہ لوگ تمسکات قرضہ اور عدالت کی ڈگریاں خرید لیتے ہیں۔ اور اسکے بدلے نقد روپیہ ادا کرتے ہیں۔
تیسری صورت یہ ہے۔ کہ کسی کے ذمہ کسی شخص کا کچھ دین ہو وہ اس دین کو وصول کرنے سے پہلے مدیون ہی کے ہاتھ فروخت کر دے اور اسکے بدلے کوئی اور چیز دم نقد لے لے مثلاً ایک شخص کے گھوڑے کی قیمت سو روپیہ دوسرے کے ذمہ واجب ہو۔ وہ اوس روپیہ کے بدلے وصولی سے پہلے اشرفیاں لے لے۔
اس تیسری صورت کا مبادلہ دین با عین شرعاً جائز ہے۔ اور اسیکو ہمنے حکم ممانعت سے مستثنیٰ کیا ہے باقی سب صورتوں کا مبادلہ دین دین سے ہو خواہ عین سے ناجائز ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کتاب **منتقی الاخبار** میں اس عنوان سے جو ہمارے مسئلہ ہشتم کا عنوان ہے۔ ایک باب منعقد کیا ہے۔ اور اوسکی تائید میں حضرت ابن عمرؓ کی **ایک** یہ حدیث نقل کی ہے۔ کہ آنحضرتؐ نے دین کی بیع دین سے ممنوع فرمائی ہے۔

دوسری وہ حدیث جو صفحہ (۲۲۶) میں منقول ہے۔ جسمیں یہ بیان ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ کی خدمت میں عرض کیا کہ میں دراہم سے اونٹ بیچا کرتا ہوں اور اوس کے بدلے دینار لے لیتا ہوں آپ نے فرمایا اسدن کے نرخ سے مبادلہ ہو تو کچھ مضائقہ نہیں +

باب النھی عن بیع الدّین بالدّین وجوازہ بالعین ممن ھو علیہ۔
عن ابن عمر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن بیع الکالی بالکالی رواہ الدارقطنی۔ منتقی الاخبار ص۱۶
وعن ابن عمر قال اتیت النبی صلعم فقلت انی ابیع الابل الی آخرما فی ص۲۲۶

صحیح بخاری اور **صحیح مسلم** میں ابوسعید خدری سے مروی ہے۔ کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے۔ کہ سونے کو سونے سے اور چاندی کو چاندی سے برابر کو برابر سے بیچو۔ انمیں نہ زیادتی کرو اور نہ نقد کا ادھار سے مبادلہ کرو۔

شوکانی نے کہا ہے آنحضرت صلعم کے اس قول سے یہ مراد ہے کہ انمیں سے ایک میعادی ودوسرا نقد نہو۔

مؤطا میں حضرت ابن عمرؓ سے مروی

عن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لاتبیعوا الذھب بالذھب الا مثلاً بمثل ولا تشفوا بعضھا علی بعض ولا تبیعوا الورق بالورق الا مثلا بمثل ولا تشفوا بعضھا علی بعض ولا تبیعوا غائبا منھا بناجز۔ متفق علیہ
فقولہ بناجز ای لاتبیعوا موجلاً بحال
نیل ص۱۵۸ ج ۵

عن القاسم ان عمر بن الخطاب قال

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الدینار بالدینار والدرھم بالدرھم والصاع بالصاع ولا یباع کالئی بناجز۔ مؤطا ص۲۶۱

ہے۔ کہ دینار کے بدلے دینار اور درہم کے بدلے درہم اور پیمانہ غلہ کے بدلے پیمانہ غلہ کے بیچ ہو تو نقد کی بیع ادھار سے نہ ہو۔

مالک انہ بلغہ ان سکوکا خرجت للناس فی زمان مروان بن الحکم من طعام الجار فتبائع الناس تلک الصکوک بینھم قبل ان یستوفوھا فدخل زید بن ثابت ورجل من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی مروان بن الحکم فقالا اتحل بیع الربو یا مروان فقال اعوذ باللہ وما ذاک فقالا ھذہ الصکوک تبایعھا الناس ثم باعوھا قبل ان یستوفوھا فبعث مروان الحرس یتبعونھا ینزعونھا من ایدی الناس یردونھا الی اھلھا موطا ص۲۶۴

وفی روایۃ مسلم فقال ابوھریرۃ احللت بیع الصکاک وقد نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن بیع الطعام حتی یستوفی مسلم ص۲۷۵

صحیح مسلم اور مؤطا میں منقول ہے۔ کہ مروان کے عہد حکومت میں لوگوں کو غلہ کی چھٹیاں ملیں ان چھٹیوں کو انہوں نے اوروں کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ پھر خریداروں نے انکا غلہ وصول کرنے سے پہلے اوروں کے ہاتھ اونکو بیچنا شروع کیا۔ جسپر ابو ہریرہ وغیرہ نے مروان کو کہا کہ تمنے سود کو حلال کر دیا + ہمنے آنحضرت صلعم سے سنا ہے کہ غلہ خرید کیا جائے تو جب تک وہ مشتری کے قبضہ میں نہ آوے (یعنی وہ دین رہے) اسکی بیع نہ کیجائے تسپر مروان نے لوگوں سے وہ چھٹیاں چھین لیں۔

مضمون حدیث ابو ہریرہ کی ایک حدیث حکیم بن حزام سے اور ایک حدیث ابن عباس سے بصفحہ (۲۲۵) گذر چکی ہے۔ جنمیں یہ ارشاد ہے۔ کہ جو چیز خرید کیجاوے وہ قبل از قبض

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فروخت نہو نی پائے۔

حدیث ابوہریرہ سے بعض علمائے شافعیہ یہ بات نکالتے ہیں کہ یہ حکم عدم جواز بیع قبل القبض خریدشدہ غیر مقبوض چیز سے مخصوص ہے۔ اور وہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی ایسی چیز ہو۔ بواسطہ بیع کسی کے ملک میں نہ آئی ہو بلکہ اور ذریعہ وراثت وغیرہ سے اسکے ملک میں آئی ہو تو اسکی بیع قبل از قبض جائز ہے۔ اس قول کو امام نووی نے شرح مسلم میں نقل کیا ہے۔

> وقد اختلف العلماء في ذلك فـ الاصح عند اصحابنا وغيرهم جواز بيعها والثاني منعها اخذا بظاهر قول ابي هريرة وحجته. ومن اجازها تاول قضية ابي هريرة على ان المشتري ممن خرج له الصك باعه لثالث قبل ان يقبضه فكان النهي عن البيع الثاني لا عن الاول لان الذي خرجت له مالك لذلك ملكا مستقرا وليس هو بمشتر فلا يمتنع بيعه قبل القبض كما لا يمتنع بيعه ما ورثه قبل القبض۔ شرح نووی صـ ج ۲

مگر انہی علمائے شافعیہ سے اس کتاب میں یہ قول بھی منقول ہے۔ کہ "غیر مقبوض چیز خواہ کسی طور سے ملک میں آئی ہو اسکی بیع قبل از قبض جائز نہیں ہے"

یہی قول حق ہے۔ احادیث سابقہ کا عموم اسکا مؤید ہے۔ اور حکیم بن حزام کی وہ حدیث جو صفحہ (۲۲۶) میں منقول ہے۔ اور اسمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد منقول ہے۔ کہ جو چیز تیرے پاس نہو تو اسکی بیع نہ کر۔ اس قول کی تائید میں بہت صریح ہے۔

> فی له ما ليس عندك۔ اي ما ليس في ملكك وقدرتك والظاهر انه يصدق على العبد المغصوب الذي لا يقدر على انتزاعه ممن هو في يده وعلى الآبق

قاضی شوکانی نے نیل الاوطار میں اس قول نبوی کی شرح میں کہا ہے۔ کہ آپکا یہ قول "جو تیرے پاس نہو" یہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الذی لا یعرف مکانہ - والطیر المنفلت الذی لا یعتاد رجوعہ ویدل علی ذلك معنی عند لغۃ قال الرضی انها تستعمل فی الماضی القریب وما هو فی حوزتك وان کان بعیدا - انتهی فیخرج عن هذا ما کان غائبًا خارجًا عن الملك او داخلًا فیہ خارجًا عن الحوزۃ وظاهرہ انه یقال لما کان حاضرًا وان کان خارجًا عن الملك - فمعنی قولہ صلعم لا تبع ما لیس عندك ای ما لیس حاضرا عندك ولا غائبًا فی ملك تحت حوزتك - قال البغوی النهی فی هذا الحدیث عن بیع الاعیان التی لا یملکها اما بیع شئی موصوف فی ذمتہ فیجوز وفیہ السلم بشروطہ فلو باع شیئًا موصوفًا فی ذمتہ عام الوجود عند المحل المشروط فی المبیع جاز وان لم یکن المبیع موجودًا فی ملکہ حالۃ العقد کالسلم - قال وفی معنی بیع ما لیس عندہ فی الفساد بیع الطیر المنفلت الذی لا یعتاد رجوعہ

معنی رکھتا ہے کہ جو تیرے ملک اور احاطہ قدرت میں نہو۔

اسپر دلیل لفظ "عند" ہے (جسکا ترجمہ لفظ "پاس" ہے۔) رضی نے کہا ہے کہ لفظ "عند" کا استعمال اوس چیز کی نسبت ہوتا ہے جو تیرے پاس حاضر ہو اور وہ جو تیری قدرت میں ہو۔ اگرچہ بظاہر تجھسے دور ہو۔ آدس سے وہ چیز خارج ہے جو تیرے ملک سے خارج ہو۔ یا وہ ملک میں ہو تو مگر قبضہ سے خارج ہو۔ اور بظاہر اس چیز پر اس لفظ کا اطلاق ہوتا ہے جو حاضر ہو گو ملک سے خارج ہو۔

بناءً علیہ آنحضرت کے اس قول کی کہ "جو تیرے پاس نہو۔ تو اوسکی بیع نہ کر" یہ معنے ہوئے کہ جو چیز تیرے پاس حاضر نہو اوسکو نہ بیچ۔ اور نہ اس چیز کو فروخت کر جو تیرے احاطۂ قبضہ میں نہو۔

بغوی نے کہا ہے اس حدیث میں ان معین اشیاء کی بیع سے منع کیا گیا ہے جنکا بائع مالک نہو۔ اور جو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الی محله فان اعتاد الطائر ان یعود لیلا لم یصح ایضا عند الاکثر الا النحل فان الاصح فیه الصحة کما قاله النووی فی زیادات "الروضة" وظاهر النهی تحریم مالم یکن فی ملک الانسان ولا داخلا تحت مقدرته. وقد استثنی من ذالک السلم فتکون روایة جوازه مخصصة لهذا العموم وکذالک المبیع فی ذمة المشتری اذ هو کالحاضر المقبوض
(نیل ص۱۵۰ ج ۵)

چیز صرف اوصاف کے بیان سے (یعنی بلا تعیین وتشخیص) (جیسے لال گیہوں یا سفید) دینی تسلیم کیجائے اسکی بیع جائز ہے گو وہ بائع کے ملک میں نہو۔ اس قسم میں سلم ہے جو شروط کے ساتھ ہو۔ بغوی نے کہا ہے کہ چھوٹے ہوئے پرند جانور کی جسکی اپنی جگہ پھر آنے کی عادت نہو بیع اسی بیع کے مانند ہے جو اپنے پاس نہو۔ اور اگر اس جانور کی رات کو اپنی جگہ آجانے کی عادت ہو۔ تب بھی اکثر علماء کے نزدیک اس کی بیع صحیح نہیں۔ بغیر شہد کی مکھی کے کہ اسکی بیع کو امام نووی نے صحیح لکھا ہے۔ مگر آنحضرت ؐ کے ظاہر حکم ممانعت سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ جو چیز کسی کے ملک میں نہو اور اسکے احاطۂ قدرت میں داخل نہو۔ اسکی بیع حرام ہے۔ ہاں اس حکم سے بیع سلم مستثنی ہے۔ جو دلائل اسکے جواز پر شاہد ہیں۔ وہ حکم ممانعت کے مخصص ہیں۔ ایسی ہی اس چیز کی بیع جو مشتری* کے ذمہ پر دین ہو اس حکم ممانعت سے مستثنی ہے۔ جسکی تفصیل اور دلیل صفحہ (۲۶۸ و ۲۶۹) میں گذر چکی ہے۔
فقہائے حنفیہ رحمہم اللہ کے مسائل ذیل بھی اسکے موئید ہیں۔

احد مطابق۔
ہدایہ میں لکھا ہے کہ مچھلی کی بیع اسکو شکار کرنے سے پہلے جائز نہیں۔

ولا یجوز بیع السمک قبل ان یصاد	کیونکہ بائع اسکا مالک نہیں ہوتا۔

* مشتری پہلے تھا۔ اب بائع ہوا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لانہ باع ما لا یملکہ ۔ ولا فی حظیرۃ اذا کان لا یوخذ الا بصید لانہ غیر مقدور التسلیم ومعناہ اذا اخذہ ثم القاہ فیہا ولو کان یوخذ من غیر حیلۃ جاز الا اذا اجتمعت فیہا بانفسہا ولم یسد علیہا المدخل لعدم الملک ۔ ولا بیع الطیر فی الهواء ۔ لانہ غیر مملوک قبل الاخذ وکذا لو ارسلہ من یدہ لانہ غیر مقدور التسلیم

(ھدایہ)

مچھلی کے احاطہ (حوض وغیرہ) میں بھی اسکی بیع جائز نہیں ۔ کیونکہ بائع اسکا مالک نہیں ہوتا ۔ اگر وہ شکار کرنے کے بغیر پکڑی نہ جاوے کیونکہ اسکو مشتری کے حوالہ کرنا داخل قدرت نہیں ہوتا ۔ اس مسئلہ سے یہ مراد ہے کہ مچھلی کو پکڑ کر حوض وغیرہ میں ڈال دیا جائے ۔ اور اگر وہ بلا تکلیف پکڑی جا سکے تو بیع جائز ہے ۔ اور اگر کسی حوض وغیرہ میں مچھلیاں خود بخود جمع ہو جائیں ۔ اور پھر اسکے داخل ہونے کے راستہ پر بند نہ لگایا جائے ۔ تو باوجودیکہ وہ بے تکلیف پکڑی جائیں ۔ وہ بائع کے ملک میں نہیں آتیں ایسی ہی پرند جانور کی بھی بیع ہوا میں جائز نہیں ۔ کیونکہ وہ بھی پکڑنے سے پہلے بائع کے ملک میں نہیں آتا ایسا ہی اگر اسکو پکڑ کر ہاتھ سے چھوڑ دیا جائے تو اوسکی بیع جائز نہیں ۔ کیونکہ پھر اسکا مشتری کے حوالہ کر دینا قدرت میں نہیں ہوتا ۔ ٹھیک ایسا ہی بعینہٖ دَین کا حال ہے وہ خواہ کیسا ہی قوی سند اور کافی ثبوت رکھتا ہو اور اسکے وصول کی قوی امید ہو وہ جب تک قبضہ میں نہ آوے وہ مقدور التسلیم نہیں ہوتا ۔ کیونکہ ممکن ہے کہ مدیون اسکے ادا سے انکار کرے ۔ اور اگر عدالت میں اسپر دعوے ہو تو ممکن ہے کہ وہ اسکی سند ثبوت سے بڑھکر اسکی نفی کی شہادت پیش کرے ۔ اور اگر وہ انکار ہی نہ کرے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یا عدالت سے کافی ثبوت کے بعد اوسکی ڈگری بھی ہوجائے تو ممکن ہے کہ وہ نادار اور دوالیہ ثابت ہوا اور اسکے دعویدار دین کے خریدار کو کچھ ہاتھ نہ آوے

احادیث مذکورہ بالا سے حضرت ابن عمر کیحدیث سے دین سے دین کی بیع کی سبھی صورتوں کا ناجائز ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اور اونکی دوسری حدیث سے دین سے عین کی بیع کی تیسری صورت کا جواز ثابت ہے۔

اور حضرت ابوسعید کی حدیث اور حضرت عمر کے اثر سے دین سے عین کی بیع کی پہلی صورت کا عدم جواز ثابت ہے۔ اور حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث اور اس مضمون کی احادیث حضرت ابن عبّاس وحکیم بن حزام سے دین سے عین کی بیع کی دوسری صورت کا عدم جواز ثابت ہے۔

یہ اس حالت میں ہے کہ اس بیع کی دوسری صورت میں مساوات مرعی ہو۔ یعنی اسکا عین سے مبادلہ برابر کا برابر سے ہو۔ اور اگر اسمیں کمی و بیشی عمل میں آوے۔ مثلاً پچاس روپیہ کے دین یا ڈگری کے بدلے چالیس روپیہ دیئے جائیں۔ تو اس بیع کا عدم جواز حضرت ابوسعید کیحدیث مذکور اور بہت سی اور حدیثوں سے (جنمیں ارشاد ہے کہ چاندی کا چاندی سے مبادلہ ہو تو اسمیں ایک جانب میں بڑھوتری داخل سود ہے) ثابت ہے۔

(۹) مسئلہ

گورنمنٹ پرامیسری نوٹ کا لین دین شرعاً جائز نہیں ہے نہ گورنمنٹ سے روپیہ دیکر نوٹ لینا اور نہ اس نوٹ وصول شدہ کی اور کسی سے خرید فروخت کرنا۔ اِن دونو صورتوں میں صاف اور صریح سود پایا جاتا ہے۔ پہلی صورت میں ربائے نسیہ (قرض کا سود) پایا جاتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دوسری صورت میں ربائے نسیہ اور ربائے فضل (بیع کا سود یا بڑھوتری) دونو پائے جاتے ہیں۔

یہ نوٹ ایک دستاویز قرض ہے۔ اور جو روپیہ اس نوٹ کے ذریعہ سے گورنمنٹ لیتی ہے وہ قرض ہے۔ اور جو رقم میعاد ضمن روپیہ تک گورنمنٹ دیتی ہے۔ وہ اس قرض کا سود ہے۔ یہ جملہ امور مضمون اس نوٹ کے صریح الفاظ سے ثابت ہیں۔

اس نوٹ کا یہ مضمون ہوتا ہے۔ جو ایک قطعہ نوٹ سے ترجمہ کیا جاتا ہے۔

گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل بذریعہ دست آویز ہذا منجانب سکرٹری اوف سٹیٹ (وزیر ہند) اقرار کرتا ہے کہ فلاں شخص نے اسقدر روپیہ (نام چھوڑا گیا ہے ایسا ہی تعداد رقم) سکرٹری اوف سٹیٹ کو بطور قرضہ وصول ہوا ہے۔ اور وہ یہ بھی اقرار کرتا ہے۔ کہ بعد انقضاء تین ماہ میعاد اس نوٹ نوٹس کے جو گورنر جنرل کی طرف سے ادا سے روپیہ کے لئے گورنمنٹ گزٹ میں دیا جائے گا روپیہ مذکور اُس شخص یا اس کے گماشتہ کو یا اور کسی ایسے شخص کو جسکو وہ جائز طور پر مختار کرے عندالطلب خزانہ فورٹ ولیم سے سکرٹری اوف سٹیٹ کی طرف سے ادا کرے گا۔

اسی خزانہ سے اس شخص یا اسکے مختار کو یا جسکو وہ حکم کرے تا انقضائے میعاد نوٹس مذکور اس روپیہ کا سود بحساب چار روپیہ فیصدی یکم مئی سنہ فلاں سے ہر ششماہی پر دیا جائیگا۔

نوٹس مذکور اس غرض سے کہ انقضاء میعاد نوٹس کے بعد وہ نوٹ بیکار

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

متصور ہو درخواست ادائے روپیہ قرار دیا جائیگا۔ اور اس میعاد کے بعد سود بالکل بند ہوگا۔

یہ الفاظ نوٹ صاف اور صریح طور پر بتا رہے ہیں کہ پرامیسری نوٹ قرض کی دست آویز ہے اور جو روپیہ اس نوٹ کے ذریعہ سے گورنمنٹ لیتی ہے وہ قرض ہے۔ اور جو رقم سالانہ جس روپیہ کے عوض میں گورنمنٹ دیتی ہے وہ اس قرض کا سود ہے۔ لہذا گورنمنٹ سے اس نوٹ کے لین دین میں صریح اور صاف ربائے نسیہ یعنی سود قرض پایا جاتا ہے۔ جس کی ممانعت و حرمت نص قرآن سے ثابت ہے۔

لوگوں میں اس نوٹ کا لین دین کبھی تو برابر کا برابر سے ہوتا ہے مثلاً سو روپیہ کا نوٹ سو روپیہ نقد کو فروخت کیا جاتا ہے۔ اس صورت مساوات میں اسکے مبادلہ میں ربائے نسیہ (قرض کا سود) تو حقیقۃً پایا جاتا ہے۔ کیونکہ جو رقم سود فی صدی چار روپیہ سالانہ کے حساب سے ملتی ہے۔ وہ بعد فروخت نوٹ اسکے خریدار کیطرف منتقل ہوتی ہے۔ وہی اس رقم سود کو (معہ اصل جب ملے) وصول کرتا ہے۔ اور رباء فضل (بڑھوتری) حکماً پایا جاتا ہے۔ کیونکہ اس نوٹ کی بیع درحقیقت اوس روپیہ کی بیع ہے۔ جسکے دست آویز یہ نوٹ ہے۔ اور روپیہ کی بیع روپیہ سے ہو تو اسمیں ایک جانب کے قرض ہونے سے حکماً رباء فضل کا ثابت ہونا منجملہ مسائل قسم دوم سود مسئلہ دوم میں مدلل ہو چکا ہے۔ اور کبھی اس نوٹ کا روپیہ سے مبادلہ کمی بیشی سے ہوتا ہے۔ مثلاً سو روپیہ کا نوٹ نوسے بلکہ اسی روپیہ کو فروخت ہوتا ہے۔ (جیساکہ گذشتہ ایام میں ہو چکا ہے) یا سو روپیہ کا نوٹ کچھ اوپر سو سے (چنانچہ اسوقت ایک سو چھ کو فروخت ہو رہا ہے) اس صورت کمی بیشی میں اس نوٹ کے لین دین میں رباء نسیہ اور رباء فضل دونو حقیقۃً پائے جاتے ہیں۔

سائل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جنکی حرمت و ممانعت قرآن و حدیث سے بیان ہو چکی ہے۔

اس خرید فروخت نوٹ سے علاوہ آیات و حدیث ممانعت سود کے وہ احادیث بھی مانع ہیں جو دَین سے عین (نقد) کی بیع کو ممنوع قرار دیتے ہیں۔ اور وہ صفحہ (۲۶۹) میں منقول ہیں۔

اس وقت کے ریفارمر جو سود کو حلال کرتے ہیں پرامیسری نوٹ اور اس قسم کے اور قرض کی صورتوں کے سود کو جنمیں دائن یا مدیون ذاتی مال سے لین دین نکرتا ہو اس عذر سے حلال کرتے ہیں کہ قرض میں دائن اور مدیون کا ذاتی مال سے لین دین ہونا ضروری ہے۔ لہذا یہ صورتیں حدِّ قرض میں داخل نہیں۔ بناءً علیہ جو نفع ان صورتوں سے ہوتا ہے۔ وہ قرض کا سود نہیں کہلا سکتا۔ آپ اپنی **تفسیر** میں لکھتے ہیں:۔

اُتّحٰ میں اپنی رائے سے قطع نظر کرتا ہوں۔ اور کتب فقہ اور مسائل مسلّمہ فقہیہ کو تسلیم کر کے مندرجہ ذیل معاملات پر جو اس زمانہ میں اکثر پیش آتے ہیں نظر ڈالتا ہوں کہ اگر فقہ ہی کی روایتوں پر عمل کیا جائے تو فقہ کے رو سے بھی معاملات مندرجہ ذیل کے سود پر ربائے ناجائز کا اطلاق ہو سکتا ہے یا نہیں۔

اوّل گورنمنٹ پرامیسری نوٹ۔ اگرچہ مولانا شاہ عبد العزیز صاحب نے گورنمنٹ پرامیسری نوٹ کے سود کے مباح ہونے کا فتویٰ دیا ہے۔ مگر جس اصول پر وہ فتویٰ دیا گیا ہے۔ میری رائے میں وہ اصول صحیح نہیں بلکہ فقہ مسلّمہ کے رو سے پرامیسری نوٹ کے سود کے جائز ہونے کی اَور وجہ ہے۔ فقہ کے اس مسئلہ کو کہ کل قرض جرّ منفعۃ فھو ربوٰ تسلیم کر لو تو نتیجہ یہ ہوگا کہ جس قرضہ میں بڑھوتری ملے وہ ربا ہے۔ قرضہ کے متحقق ہونے کیلئے تین رکن ضروری ہیں۔ اگر ایک رکن بھی اسمیں موجود نہو تو اسپر قرضہ کا اطلاق نہوگا۔ اور اسکی بڑھوتری ربا سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ناجائز نہوگی۔ اور وہ رکن یہ ہیں۔

(اوّل) دائن یا دائنان کا متحقق ومشخص ہونا۔ (دوم) مدیون کا متحقق اور مشخص ہونا (سوم) دائن کو حق طلب باقی ہونا۔ گورنمنٹ پرامیسری نوٹ میں جو ... زمانہ ادا موعود نہیں ہے ان ارکان ثلاثہ میں سے دو رکن مفقود ہیں ایک مدیون کیونکہ اسمیں کوئی شخص معیّن ومشخص مدیون نہیں ہے۔ بلکہ صرف ایک مفہوم جسکو گورنمنٹ کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں مدیون ہے جو فقہ کے روسے صلاحیت مدیون قرار پانے کی نہیں رکھتی۔

دوسرے حق طلب اسلئے کہ دائن کو اس قرضہ کی طلب کا حق نہیں ہے۔ اور جن پرامیسری نوٹوں میں میعاد ادائے موعود ہے انمیں حق طلب ساقط نہیں ہے۔ الاّ مدیون بدستور غیر متعین وغیر مشخص ہے۔ پس جو بڑھوتری ان پرامیسری نوٹوں کے ذریعہ سے حاصل ہو وہ فقہ کے روسے ربا نہیں قرار پاسکتی۔ ہمارے زمانہ کے علماء پرامیسری نوٹوں کی بڑھوتری پر ربا ہونے یا نہونے کا حکم دیں یا نہ دیں۔ مگر ہمارے زمانہ میں دہلی میں بعینہ مثل پرامیسری نوٹ کے ایک معاملہ پیش آیا تھا اور تمام علماء دہلی نے جو اس زمانہ تک بڑے بڑے مقدس لوگ موجود تھے۔ اُسکے جواز کا فتوےٰ دیا تھا اور وہ واقعہ یہ تھا۔ کہ بادشاہ بہادر شاہ نے یہ قاعدہ نکالا تھا کہ جو کوئی شخص کچھ روپیہ بادشاہ کو بطور نذرانے دے تو اُس شخص کی تنخواہ اُس روپیہ کی سود کے برابر مقرر ہوجاویگی جس شخص نے روپیہ دیا اسکو روپیہ واپس مانگنے کا اختیار نرہتا تھا۔ اور نہ بادشاہ کو تنخواہ معیّنہ کے بند کردینے کا۔ ہاں یہ بات بادشاہ کی مرضی پر منحصر تھی کہ اگر وہ تنخواہ معینہ بند کرنی چاہیں۔ تو وہ روپیہ جو بنام بہادر نذرانہ لیا ہے اس شخص کو واپس کردیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اکثر ایسا اتفاق ہوا ہے کہ مثلاً ایک شخص نے بادشاہ کو ہزار روپیہ نذرانہ اس شرط پر دیا کہ دس روپیہ مہینے کی تنخواہ اوسکی مقرر ہو جاوے بادشاہ نے منظور کیا اور تنخواہ مقرر کر دی۔

دوسرا ایسا اتفاق آن موجود ہوا کہ ہزار روپیہ نذرانہ اس شرط پر دینے کو راضی تھا کہ پادشاہ پانچ روپیہ ماہواری اسکا مقرر کر دیں بادشاہ نے ہزار روپیہ اس سے لیا اور پہلے شخص کا روپیہ واپس کر دیا اور دس روپیہ تنخواہ اسکی بند کر دی اور اسمیں سے پانچ روپیہ دوسرے کی تنخواہ مقرر کر دی۔ اور وہ پانچ جو بچے اسکی بھی کسی تیسرے شخص سے نذرانہ لیکر اسکی تنخواہ بھی مقرر کر دی۔

یہہ معاملہ پرامیسری نوٹ کے معاملہ سے بھی زیادہ مشتبہ ہے کیونکہ جو حالت بادشاہ کی ایک پنشن دار شخص کی تھی اسکے لحاظ سے بذاتِ خود مدیون متصور ہوتے تھے۔ اور اس لئے اس معاملہ میں دو رکن موجود تھے یعنی دائن و مدیون البتہ صرف تیسرا رکن حق طلب معدوم تھا۔ پس اس معاملہ کی بڑھوتری کو تمام علماء دہلی ربا نہیں سمجھتے تھے۔ اور اگر میری یاد میں غلطی نہو تو بڑے بڑے مقدس مولویوں نے اس قسم کا نذرانہ دیکر تنخواہیں اپنی اپنی قرابت مندوں کی مقرر کرائیں تھیں۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ اگر یہ بڑھوتری سود ناجائز نہ تھی تو پرامیسری نوٹ کی بڑھوتری کیوں سود ناجائز قرار پا سکتی ہے۔

دوم۔ معاملات ترقی ملک۔ مثلاً گورنمنٹ یا کوئی جماعت محدود اس غرض سے روپیہ قرض لے کہ اس روپیہ سے ایک نہر آبپاشی کے لئے یا آہنی سڑک آمد و رفت کے لئے جاری کرے اور دائن کو اس قرضہ کی بابت سود دینا قبول کرے تو وہ بھی ربائے ممنوع میں جسکا ذکر اس آیت میں ہے داخل نہیں ہے۔ کیونکہ وہ اس قسم کا قرضہ نہیں ہے جسپر ربا ممنوع ہو۔ سوم معاملات رفاہ عام۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فرض کرو کہ کسی شخص یا جماعت نے ایک سرمایہ اس غرض سے جمع کیا ہے کہ اسکے محاصل سے عام رفاہ کے کام کئے جاوینگے۔ وہ سرمایہ فقہ کے رو سے وقف ہے۔ اور وہ شخص یا جماعت صرف امین یا متولی وقف ہو اس سرمایہ کی ملکیت نہیں رکھتی۔ پس اگر وہ سرمایہ بالفرض کسی کو دیا جاوے تو وہ بھی رباء ممنوع میں داخل نہیں ہو سکتا۔

سبب اسکا یہ ہے کہ جو اصول و قواعد جماعت محدودہ کے لئے اس زمانہ میں مروج ہیں انکے رو سے وہ جماعت محدود اپنی ذات سے اس قرضہ کے مدیون نہیں ہوتی۔ اور نہ انکی ذات دائن ہوتی ہے۔ اور یہی حال اس شخص یا جماعت کا ہے جو کسی سرمایہ وقف کا متولی یا امین ہے۔ پس ان صورتوں میں یا دائن مشخص و معین نہیں ہے۔ یا مدیون مشخص و معین نہیں ہے۔ اور اسلئے اسپر ایسے قرضہ کا ہونا جسپر سود لینا ممنوع ہے صادق نہیں آتا اور اسلئے اسپر رباء ممنوع نہیں ہے۔"

اس عبارت کی آخری سطور کے یہ فقرات کہ وہ "شخص یا جماعت صرف امین یا متولی وقف ہے۔ اس سرمایہ کی ملکیت نہیں رکھتے"۔ جماعت اپنی ذات سے اس قرضہ کی مدیون نہیں ہوتی۔ اور نہ انکی ذات دائن ہوتی ہے۔ اور یہی حال اس شخص یا جماعت کا ہے جو کسی سرمایہ وقف کا متولی یا امین ہے۔" صاف ظاہر کر رہے ہیں کہ شروع عبارت ہذا میں جو کہا گیا ہے کہ فقہ مسلمہ کے رو سے دائن اور مدیون کا مشخص و معین ہونا ضروری ہے اس سے راقم عبارت کی یہی مراد ہے۔ کہ فقہ کے مسائل مسلمہ کے رو سے قرض وہ ہے جسکو دائن اور مدیون کی ذات خاص سے تعلق ہو۔ اور اسکا لین دین اسکی ذاتی مملوک مال سے ہو۔ اور اگر کسی سلطنت کا بادشاہ یا کسی شہر کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قاضی یا کسی وقف کا متولی یا کسی کمیٹی کا ممبر سر براہ سلطنت یا حدود حکومت یا مال وقف یا سرمایہ کمیٹی سے کسی کو قرض دے - یا مصارف سلطنت یا حکومت یا حفاظت وقف یا ضرورت کمیٹی کے لئے ان ہی اشیا کے ذمہ پر (نہ اپنے سر پر) کسی سے قرض لے - تو وہ قرض مسائل فقہ کے رو سے قرض نہیں کہلاتا اور نہ وہ سود جو اس قرض کے بدلے لیا یا دیا جائے شرعًا سود کہلاتا ہے - کیونکہ ان صورتوں میں دائن یا مدیون در حقیقت کوئی شخص و ذات نہیں بلکہ صرف ایسی چیز یا مفہوم ہے جسکو سلطنت یا حکومت یا وقف یا سرمایہ کمیٹی کہا جاتا ہے - اور نیز مسائل فقہ کے رو سے جس قرض کے مطالبہ کا حق فریقین کی کسی شرط و قرارداد سے باطل ہو جائے - وہ شرعًا قرض نہیں کہلاتا - اور نہ اسکے سود کو شرعًا سود کہا جاتا ہے -

و بناءً علیہ چونکہ گورنمنٹ پرامیسری نوٹ میں مدیون گورنر جنرل یا سکرٹری آف سٹیٹ اپنی ذات سے مدیون نہیں ہوتا - اور اپنی ذاتی مال سے اس قرضہ کے ادا کا ذمہ دار نہیں ہوتا - اور جس سلطنت یا سٹیٹ کی طرف سے وہ مدیون ہوتا ہے - وہ کوئی شخص نہیں ہے - اور اس دین کا حق مطالبہ بھی دائن کو نہیں ہے - لہٰذا اس روپیہ کو جو نوٹ کے ذریعہ سے گورنمنٹ وصول کرتی ہے - فقہ کے رو سے قرض نہیں کہا جا سکتا اور نہ اوس سود کو جو اس روپیہ کے عوض میں گورنمنٹ دیتی ہے - شرعًا سود کہا جاتا ہے - ایسا ہی جو قرضہ کسی کمیٹی یا وقف کے متولی یا متعلق سے لیا جاتا ہے - یا اسکو دیا جاتا ہے - وہ بھی شرعًا قرض نہیں اور نہ اسکا سود شرعًا سود ہے - کیونکہ وہ بھی دائن یا مدیون کی ذات خاص اور اسکی ذاتی مملوک مال سے تعلق نہیں رکھتا بلکہ اس فنڈ یا وقف کے متعلق ہوتا ہے جو کوئی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شخص نہیں ہے بلکہ اشیاء ہیں۔

اس عذر کا جواب یہ ہے کہ جہانتک کتب فقہ کی متون، شروح حواشی اور فتاوی کو دیکھا جاتا ہے ایمیں اس مسئلہ کا کہیں پتہ نہیں ملتا کہ قرض کو دائن یا مدیون کی ذات سے تعلق ہوتا ہے۔ اور اسکا لین دین انکی ذاتی مملوکِ مال سے ہونا ضرور ہے۔

ہاں قرض کے نام اور تعریف سے (فقہ میں ہے خواہ عامہ خلائق کے خیال ومقال میں) یہ ضرور مفہوم ہوتا ہے کہ قرض کا لین دین ہو تو اسکا مباشر اور متعلق ایک شخص دائن ہوگا جسکو زر قرض کے واپس طلب کرنے کا حق ہو۔ دوسرا شخص مدیون جو بظاہر ذمہ دار ہو اور ان سے مطالبہ ہوسکے مگر اس سے پیچھے کسی کے خیال میں بھولے سے بھی نہیں گذرتا۔ اور نہ کتب فقہ اور حدیث میں کہیں اسکا نام ونشان پایا جاتا ہے کہ مباشر قرض اپنی ذات سے اور اپنے ذاتی مال سے روپیہ دے تو وہ دائن کہلاتا ہے۔ اور وہ مباشر اپنی ذات کے لئے اور اپنے ذاتی ذمہ پر اور اپنے ذاتی مال سے ادا کرنے کے وعدہ سے لے تو وہ مدیون کہلاتا ہے۔ بلکہ فقہ اور حدیث اور عامہ خلائق کی عرف میں اگر کوئی بادشاہ سلطنت یا حاکم وقت یا متولی وقف یا کسی کمیٹی کا ممبر خزانہ سلطنت یا آمدنی حکومت یا مال وقف یا سرمایہ کمیٹی سے کسی کو کچھ قرض دے تب بھی وہ دائن کہلاتا ہے۔ اور اگر بادشاہ یا حاکم یا متولی یا ممبر کمیٹی ضروریات سلطنت یا حکومت یا وقف

> القرض هو عقد مخصوص يرد على دفع مال بمنزلة الجنس مثلي خرج القيمي لآخر ليرد مثله (در مختار مطبوعہ لاہور ص ۲۸۴)

© rasailojaraid.com

یا کمیٹی کے لئے اوسی سلطنت یا حکومت یا وقف یا کمیٹی کے ذمہ پر اور اوسکی آمدنی سے ادا کرنے کے وعدہ پر کسی سے قرض لے تب بھی وہ مدیون کھلاتا ہے۔

عُرف عام سے تو سبھی لوگ جو دنیا میں بستے ہیں واقف ہیں اور رات دن دیکھ رہے ہیں۔ کہ سلطنتیں اور کمیٹیاں ہمیشہ قرض لیتی دیتی ہیں۔ اور دائن اور مدیون کھلاتی ہیں۔ اور در صورت اِنکار ادا نالشیں کرکے ڈگریاں حاصل کرتی ہیں۔

اِس مقام میں ہم کُتب فقہ اور حدیث کی شہادت سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ اس قسم کے قرض کو جسکو دائن و مدیون کی ذات خاص اور اُسکے ذاتی مال سے تعلق نہو فقہ و حدیث نے قرض کہا ہے۔ کیونکہ ہمارے انزائیل نفائر کو اسی سے انکار ہے۔

فقہ و حدیث کی جامع کتاب صحیح بخاری میں جابر بن عبداللہ سے نقل ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (جو مسلمانوں کے دین و دنیا کے بادشاہ تھے) دنیا سے رحلت فرما ہوئے تو حضرت ابوبکر کے پاس (جو آپ کے جانشین سلطنت ہوئے) علاء بن حضرمی (آپ کا اور آپکے بعد آپکے دو نو خلفاء کا عامل کارکن تھا) کیطرف سے (بحرین کا سرکاری) مال آیا تب صدیق اکبرؓ نے اس مضمون کا اشتہار دیا کہ جس شخص کا

باب من امر بانجاز الوعد۔ و فعله الحسن + وقضى ابن اشوع بالوعد۔ ++ عن جابر بن عبد الله قال لما مات النبی صلی اللہ علیہ وسلم جاء ابا بکر مال من قبل العلاء بن الحضرمی فقال ابوبکر من کان له علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم دین او کانت له قبله عدة فلیاتنا۔ قال جابر فقلت وعدنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم هکذا وهکذا وهکذا

© rasailojaraid.com

فبسط یدیہ ثلث مرات فقال جابر فعدّ فی یدی خمسمائۃ ثم خمسمائۃ ثم خمسمائۃ (بخاری صفحہ ۳۱۹) وفی روایۃ لہ قال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لو قد جاء مال البحرین قد اعطیتک ھکذا فلم یجئ حتی قبض النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ فلما جاء مال البحرین امر ابوبکر فنادی من کان لہ دین الحدیث (بخاری صفحہ ۳۰۷)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ کچھ قرض واجب ہے۔ یا آپ کی طرف سے کوئی اوسکو وعدہ ملا ہوا ہے وہ حاضر ہو کر وصول کرے جابر بن عبداللہ (راوی حدیث) نے کہا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھے پندرہ سو ۱۵۰۰ کا وعدہ دیا تھا۔ تب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پندرہ سو ۱۵۰۰ گن دیئے۔

اس حدیث میں صاف تصریح ہے کہ صدیق اکبرؓ نے آنحضرت کے ذمگی قرض کو قرض قرار دیا اور اسکے ادا کرنے کا اشتہار دیا۔ جابر کو جو کچھ دیا اسکو بھی (بنا بر تحقیق امام بخاری ومذہب ابن اشوع وحسن بصری) نبوی وعدہ کے سبب آنحضرتؐ کے ذمہ پر قرض سمجھکر ادا کیا۔ اور یہ ظاہر ہے۔ کہ یہ قرض آنحضرت کا ذاتی قرض نہ تھا۔ بلکہ وہ سرکاری خزانہ پر قرض تھا۔ وہ آنحضرتؐ کا ذاتی قرض ہوتا تو سرکاری خزانہ سے ادا نہ کیا جاتا۔ بلکہ آپ کے خالصہ مال سے جس سے آپکے عیال کی پرورش ہوتی تھی ادا کیا جاتا۔

کتاب الاشباہ والنظائر میں ہے۔ وقف پر (یعنی اسکی آمد سے ادا کرنے کے وعدہ پر) قرض اٹھانا جائز نہیں مگر اس صورت میں

الاستدانۃ علی الوقف لا تجوز الا اذا احتیج الیہا لمصلحۃ الوقف

تصحیح غلطی - صفحہ ۲۷۱ کی سطر ۵ و ۱۶ میں چھٹیاں کو چٹھیاں پڑھو۔

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

كتعمير وشراء بذر فيجوز بشرطين الاول اذن القاضي والثاني ان لا يتيسر اجارة العين و الصرف من اجرتها كما حرره ابن وهبان وليس من الضرورة الصرف على المستحقين كما في القنية والاستدانة القرض والشراء نسيئة - (الاشباه ص ۲۴۳)

کہ وقف کی بہتری کے لئے اسکی حاجت ہو۔ جیسے عمارت بنوانا اور زراعت کے لئے تخم خرید کرنا۔ اس صورت میں دو شرط سے قرض اٹھانا جائز ہے۔ ایک یہ کہ قاضی (حاکم) کی اجازت ہو۔ دوسری یہ کہ اصل وقف کا کرایہ پر دینا اور اسکی اجرت سے محل ضرورت میں صرف کرنا میسر و ممکن نہو۔ ایسا ہی ابن وہبان نے لکھا ہے۔ اور مستحقین وقف کا خرچ اس ضرورت سے نہیں ہے۔ قرض اٹھانا دو صورت سے ہو سکتا ہے۔ ایک کہ کسی سے نقد روپیہ وغیرہ قرض لیا جائے دوسری یہ کہ کوئی چیز ادھار خرید کیجائے۔

اور کتاب البحر الرائق میں ہے کہ ذخیرہ میں کہا ہے کہ ہلال (ایک امام فقیہ ہے) نے فرمایا ہے۔ کہ وقف میں عمارت کی حاجت ہو۔ اور مہتمم کے ہاتھ میں مال نہو تو اسکو قرض اٹھانا جائز نہیں کیونکہ قرض ابتداً* میں کسیکی ذمہ پر واجب ہوتا ہے۔ اور وقف ذمہ وار نہیں ہو سکتا۔ فقراء (وقف کے مصارف) ذمہ وار ہو سکتے ہیں۔ مگر وہ کثرت کے سبب محل مطالبہ نہیں

قال في الذخيرة قال هلال اذا احتاج الصدقة الى العمارة وليس في يد القيم ما يعمرها فليس له ان يستدين عليها لان الدين لا يجب ابتداءً الا في الذمة وليس للوقف ذمة والفقراء وان كانت لهم ذمة الا انهم لكثرتهم لا يتصور مطالبتهم فلا يثبت الدين باستدانة القيم الا

* یعنی جب قرض کیا جاتا ہے تو اسکا ذمہ وار ادا کا کوئی شخص ہوتا ہے۔ گو آخر کو وہ کسی مال کے سر پر جا پڑتا ہے۔ اور اس سے ادا کیا جاتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علیہ و دین یجب علیہ لا یملک قضائہ من غلتہ ہی علی الفقراء - وعن الفقیہ ابی جعفر ان القیاس ہذا الا ان یترک القیاس فیما فیہ ضرورۃ نحو ان یکون فی ارض الوقف زرع یاکلہ الجراد ویحتاج الی النفقۃ وجمع الزرع او طالبہ السلطان بالخراج جاز لہ الاستدانۃ لان القیاس یترک بالضرورۃ قال والاحوط فی ہذہ الضرورات ان یستدین بامر القاضی لان ولایۃ الحاکم اعم فی مصالح المسلمین من ولایۃ الا ان یکون بعیدا من الحاکم ولا یمکنہ الحضور فلا باس ان یستدین بنفسہ وفی فتاوی ابی اللیث رحمہ قیم وقف طلب منہ الخراج ولیس فی یدہ من مال الوقف شیئ واراد ان یستدین فہذا علی وجہین ان امر الواقف بالاستدانۃ فلہ ذلک وان لم یامرہ بالاستدانۃ فقد اختلف المشائخ فیہ - قال الصدر الشہید والمختار ما قال الفقیہ ابو اللیث رحمہ اذا لم یکن

ہو سکتے - لہٰذا مہتمم قرض اٹھائیگا تو وہ خود ہی ذمّہ دار ہوگا - اور اس قرض کو وہ اس غلّہ وقف سے نہیں ادا کر سکتا جو فقراء کے لئے ہوتا ہے فقیہ ابو جعفر سے منقول ہے کہ قیاس اسیکا مقتضی ہے - ولیکن یہ قیاس محل ضرورت میں متروک ہے - ضرورت کیصورت یہ ہے - کہ زراعت وقف کو ٹڈی کھا رہی ہو - لہٰذا حاجت ہو کہ کچھ خرچ کریں - اور اس زراعت کو اکٹھا کریں - یا یہ کہ بادشاہ زمین وقف کا معاملہ طلب کرے اسصورت سے جائز ہے - کہ مہتمم قرض اٹھا لے - کیونکہ قیاس ضرورت کے وقت متروکہ ہوتا ہے - فقیہ نے کہا ہے کہ ان ضرورتوں کے وقت بھی احتیاط اسمیں ہے - کہ قاضی کے حکم سے متولی قرض لے - کیونکہ قاضی کو مسلمانوں کے عام مصالح میں متولی سے بڑھکر اختیار حاصل ہے - ہاں قاضی متولی سے دور ہو - اور وہ اسکے پاس حاضر نہو سکے تو وہ بذات خود بھی قرض

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بدون الاستدانة يرفع الامر
الى القاضي حتى يامر بالاستدانة
ثم يرجع في الغلة - وفي واقعات الناطفي
اذا اراد ذلك بامر القاضي فله ذلك
بلا خلاف لان القاضي يملك الاستدانة
على الوقف فيملك المتولي ذلك باذنه
وصرح في الخلاصة بان الاصح ما قال
الفقيه ابو الليث وفسر قاضي خان
الاستدانة على الوقف بتفسيرين
قال في الثاني وتفسير الاستدانة ما ذكر
انما هو فيما اذا لم يكن في يده شيئ
من الغلة واما اذا كان في يده شيئ
منها واشترى شيئا للوقف فنقد
من ماله جاز له ان يرجع بذلك من غلته
وان لم يكن بامر القاضي كالوكيل
بالشراء اذا نقد الثمن من ماله فانه
يجوز له الرجوع به على موكله وقال
في الاول ان لا يكون للوقف غلة
فيحتاج الى القرض والاستدانة -
وذكر في العدة الاستدانة لضرورة
مصالح الوقف يجوز لو امر الواقف

اٹھا سکتا ہے -

(امام ابو اللیث کے فتاویٰ نے میں ہے - وقف کی قسم سے معاملہ طلب ہو اور اسکے ہاتھ میں مال وقف سے کچھ نہو اور وہ قرض اٹھانا چاہیے - تو اسکی دو صورتیں ہیں - ایک یہ کہ وقف کنندہ اسکو قرض اٹھانے کا حکم دے - اس صورت میں اسکو قرض اوٹھانا جائز ہے - دوسری یہ کہ وہ حکم نہ دے - اس صورت میں مشائخ کا اختلاف ہے -

(امام) صدر الشہید نے فرمایا ہے کہ لائق اختیار و فتوے یہی بات ہے جو فقیہ ابو اللیث نے کہی ہے کہ اگر ضرورت ایسی درپیش ہے جس کی کوئی چارہ نہیں تو متولی اس امر کو قاضی کے حضور میں پیش کرے - قاضی اُسکو اٹھانے کی اجازت دے - تو متولی قرض اٹھائے - پھر وقف کے غلہ سے اس قرض کو ادا کرے -

واقعات ناطفی میں ہے کہ قاضی کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

والا فالمختار ان یرفع الامر الی القاضی - وفی الحاوی یجوز للمتولی اذا احتاج الی عمارۃ الوقف ان یستدین علی الوقف - وفی البزازیۃ من کتاب الوصایا لو استقرض المتولی ان شرط الواقف لہ ذلک والا رفع الی الحاکم ان احتاج - (بحرالرائق مختصراً)

حکم سے مہتمم قرض اٹھائے تو وہ بلا اختلاف جائز ہے - کیونکہ قاضی کو وقف پر قرض اٹھانے کا اختیار ہے لہذا اسکی اجازت سے متولی کو بھی اختیار ہو سکتا ہے - خلاصہ میں لکھا ہے کہ یہ قول فقیہ ابو اللیث کا بہت صحیح ہے - اور قاضی خان نے وقف پر قرض اٹھانے کی تفسیر دو صورت سے کی ہے - دوسری صورت کے بیان میں کہا ہے کہ وہ یہ ہے کہ مہتمم کے ہاتھ میں وقف کا غلہ نہو تو اسی صورت میں قرض اٹھانے کے لئے اسکو قاضی کی اجازت کی حاجت ہے - اور اگر وقف کا غلہ موجود ہے - اور مہتمم اس نے ایک چیز خرید کر کے اسکی قیمت (بطور قرض) اپنے پاس سے ادا کی ہو اور پھر وہ قیمت غلہ وقف سے وصول کی ہو تو یہ صورت قرض اجازت قاضی کے بغیر بھی جائز ہے - جیسے کسی چیز کی خرید کا وکیل اپنی گرہ سے اسکی قیمت ادا کر کے موکل سے لے سکتا ہے - پہلی صورت کے بیان میں لکھا ہے کہ وقف میں غلہ نہوا اسلئے متولی کو قرض اٹھانے کی حاجت پڑے -

عُدَّہ میں لکھا ہے کہ وقف [illegible] کی اجازت سے ضرورت وقف کے لئے متولی قرض اٹھائے تو جائز ہے - اور اگر اسکی اجازت نہو تو لائق اختیار و فتویٰ یہ ہے کہ اس امر کو قاضی کے سامنے پیش کرے وہ اجازت دے تو قرض اٹھائے -

حاوی قدسی میں ہے متولی کو عمارت وقف کے لئے ضرورت پیش آئے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تو وقف پر اسکو قرض اٹھانا جائز ہے۔

بزازیہ میں ہے وقف کنندہ شرط کر چکا ہو تو متولی کو وقف پر قرض اٹھانا جائز ہے۔ ورنہ بوقت ضرورت حاکم وقت سے اجازت لینا ضروری ہے۔

اور فتاویٰ قاضی خاں میں ہے کہ زمین کے وقف کنندہ کو قاضی حکم دے کہ وہ اسمیں وقف کے لئے زراعت (کھیتی) کرے۔ وہ اگر یہ عذر کرے کہ وقف کا مال موجود نہیں ہے۔ جس سے کھیتی ہو سکے اور نہ ان فقرا کے پاس ایسا مال ہے جنکے لئے وہ زمین وقف ہے۔ تو قاضی اسکو کہے کہ تو اس زراعت کے بیج وغیرہ خرچ کے لئے قرض اٹھا پھر وہ قرض وقف کے غلہ سے ادا کر۔ وہ اگر کہے کہ مجھسے یہ نہیں ہو سکتا تو قاضی ان فقرا کو جنکے لئے وہ زمین وقف ہے۔ قرض اٹھانے کا حکم دے۔ مہتمم وقف سے زمین کا معاملہ وغیرہ ٹکس طلب ہو۔ اور اسکے پاس غلہ وقف سے کچھ نہو تو فقیہ ابو القاسم فرماتے ہیں کہ وقف کنندہ اسکو حکم دے تو وہ قرض اٹھائے۔

یقول القاضی للواقف ازرعها للوقف۔ فان قال لیس للوقف مال ازرع للوقف ولا لاهل الوقف فان القاضی یقول یه استدن علی الوقف لثمن البذر والنفقة ثم ارجع بذالك فی غلة الوقف۔ فان قال الواقف لا یمکننی ذالك یقول القاضی لاهل الوقف استدینوا له ++ قیم الوقف اذا طلب منه الخراج والجبایة ولیس فی یده من غلة الوقف شئ قال الفقیه ابو القاسم رح ان کان الواقف امر بالاستدانة کان له ان یستدین له+ قال الفقیه ابو اللیث رح اذا استقبله امر ولم یجد بدًا من الاستدانة فینبغی ان یستدین بامر الحاکم ثم یرجع فی الغلة لان للقاضی ولایة

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الاستدانۃ علی الوقف وذکر الناطفی الی اخرما نقل عنہ وعن قاضیخان صاحب البحر (قاضیخان ص۱۴۴ و۱۴۵)

فقیہ ابو اللیث فرماتے ہیں اگر متولی کو کوئی ایسا امر پیش آجائے جس سے کچھ چارہ نہ بن پڑے تو وہ حاکم کے حکم سے قرض اٹھائے۔ پھر وقف کے غلہ سے وصول کرکے ادا کرے۔ کیونکہ قاضی کو وقف پر قرض اٹھانے کا حق ہے۔ اسکے بعد قاضیخان نے امام ناطفی کا وہ قول ذکر کیا ہے جو بحر الرائق کی عبارت میں گذر چکا ہے۔ پھر قاضی خان نے قرض اٹھانے کی صورت کی وہ دو تفسیریں بیان کی ہیں۔ کہ وہ بھی عبارت بحر میں منقول ہوئی ہیں۔

قال الشیخ الامام ما کان من غلۃ المسجد الجامع یجوز للحاکم ان یصرفہ الی ذلک علی وجہ القرض اذا لم یکن حاجۃ للمسجد الیہ -- ++ وفی النوازل فی اقراض ما فضل من مال الوقف قال ان کان احرز للغلۃ ارجو ان یکون واسعًا ++ یقول القاضی اقرضها للوقف الی اخر ما نقل عن قاضیخان۔ (فتح القدیر ص۵۵ و۵۶ ح۲)

فتح القدیر حاشیہ ہدایہ میں اقوال امام ابو اللیث اور امام ناطفی منقولہ بالا جنسے متولی و وقف کا مدیون ہونا ثابت ہے نقل کرکے متولی یا مہتمم وقف کا داین ہونا بھی ثابت کیا ہے اور ایک امام سے نقل کیا ہے کہ مسجد جامع کی غلہ کی اسہیں ضرورت نہ ہو تو اسکو بطور قرض کسیکو دینا حاکم کے لئے جائز ہے۔

اور **نوازل** سے نقل کیا ہے کہ مال وقف جو حاجت سے بڑھکر ہو اسکو غلہ جمع رکھنے کی غرض سے قرض دیدینا جائز ہے۔ پھر قاضیخاں کا وہ قول نقل کیا جسمیں وقف کنندہ کو زمین وقف کی زراعت کے لئے قرض اٹھانے کا حکم بیان ہوا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فتاویٰ عالمگیری میں ذخیرہ کی روایت مذکورہ نقل کرکے **مضمرات** سے وہ مضمون نقل کیا ہے جو فقیہ ابی اللیث کے فتاویٰ سے صاحب بحر الرائق نے نقل کیا ہے اور فتاویٰ غیاثیہ سے نقل کیا ہے کہ اگر متولی زمین وقف میں تخم ریزی کے لئے قاضی کے حکم سے قرض اٹھائے تو وہ بالاتفاق جائز ہے۔ بلا اجازت قرض اٹھائے تو اسمیں دو روایتیں ہیں۔ پھر **سراجیہ** سے نقل کیا ہے کہ اگر متولی رہن کا عوض ادا کرنے کے لئے قاضی کے حکم سے قرض اٹھائے تو جائز ہے ورنہ ناجائز۔ اسکے بعد فتاوے قاضیخاں سے صورت قرض کی وہ تفسیر نقل کی ہے۔ جو منقول ہو چکی ہے۔

ولو استدان علی الوقف لیجعل ذلک فی ثمن البذر بامر القاضی یجوز بالاجماع وان فعل لا بامرہ ففیہ روایتان کذا فی الغیاثیہ وھکذا فی الذخیرۃ المتولی اذا اراد ان یستدین علی الوقف لیجعل ذلک فی ثمن الرھن فان کان بامر القاضی یملک ذلک والا فلا کذا فی السراجیۃ وتفسیر الاستدانۃ الی آخر ما نقل عن قاضیخان
(عالمگیری ص۔۔۔ ج ۲)

ایساہی درمختار مطبوعہ لاہور میں بصفحہ (۲۵۰) متولی کے لئے وقف پر قرض اٹھانے کا جواز بیان کیا ہے۔ اور اسکے حاشیہ **ردالمحتار** مطبوعہ دہلی میں بصفحہ (۴۹۱ ج ۳) مسئلہ جواز قرض بتفصیل مذکور بیان کرکے اس جواز کی وجہ (قیاسی دلیل) جو بحر الرائق سے منقول ہوئی ہے بیان کی ہے اور فقیہ ابو اللیث کے قول کا لائق اعتبار ہونا بیان کیا ہے۔ ایساہی اور کتب فقہ میں اس مسئلہ کا بیان ہوا ہے۔ جنکی نقل وتفصیل عبارات سے بہت تطویل ہوتی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان اقوال فقہاء اور عبارات کتب فقہ وحدیث سے (جو منقول ہو ئیں) آفتاب نیمروز کی طرح ثابت ہے کہ مسائل فقہ کے رو سے دائن یا مدیون کا اپنی ذات خاص سے دائن و مدیون ہونا اور اپنے ذاتی مملوک مال سے قرض کا لین دین کرنا صحت قرض کے لئے شرط اور ضروری امر نہیں ہے بلکہ اگر سلطنت کا بادشاہ یا عمال وقف کا متولی یا امین ایسی سرمایہ وقف یا خزانہ سلطنت سے کسیکو قرض دے یا اسی سرمایہ یا خزانہ کے سر پر کسی سے قرض اٹھائے تو وہ بھی شرعاً قرض کہلاتا ہے۔ بنا بر علیہ گورنمنٹ پرامیسری نوٹ کا روپیہ جسکو گورنر جنرل یا سکرٹری اوف سٹیٹ گورنمنٹ کے لئے قرض لیتا ہے۔ اور گورنمنٹ کے خزانہ سے اسکے ادا کرنے کا وعدہ دیتا ہے۔ باتفاق فقہ وحدیث قرض ہے۔ اور اس وجہ سے کہ گورنر جنرل یا سکرٹری اوف سٹیٹ اپنی ذات سے اسکے ذمہ وار ادا نہیں ہوتے تو وہ قرض سے خارج نہیں ہے۔

اس نوٹ کے قرض نہونے کی دوسری وجہ جو اس عذر میں بیان ہوئی ہے کہ اُس قرض کا حق مطالبہ ساقط ہے۔ لہذا وہ شرعاً قرض نہیں"۔ **اسکا جواب** یہ ہے کہ جس نوٹ کا مضمون ہمنے اوپر نقل کیا ہے اور اسیکا حکم اسمقام میں بیان ہوا ہے اسکا حق مطالبہ ساقط نہیں ہے۔ اسمیں صاف تصریح ہے کہ اس نوٹ کا روپیہ میعاد نوٹس گذر جانے کے بعد گورنر جنرل عند الطلب ادا کرے گا۔ ہاں اسمیں یہ ضرور پایا جاتا ہے کہ اس نوٹس کی میعاد گذر جانے سے پہلے دائن کو مطالبہ کا حق نہیں ہے۔ مگر اس سے مطلق حق مطالبہ کا اسقاط نہیں ہوتا۔ صرف فوری مطالبہ کا (جو حسب منشار دائن ہو) اسقاط ہوتا ہے۔ اسیکو اسقاط حق مطالبہ فرض کیا گیا ہے۔ اور ہم بھی اسکو اسقاط تسلیم کر لیں تو اس سے اوس قرض کا جسمیں یہ شرط عدم مطالبہ فوری پائی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جاتی ہے۔ قرض ہوتا باطل نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس صورت میں اس قرض میں یہ عدم مطالبہ فوری کی شرط ایک شرط فاسد اور شرعاً ناجائز متصور ہوگی (جیسے کوئی کسیکو کھوٹی چاندی قرض دے کر اچھی چاندی لینے کی شرط لگالے۔ یا بے سیا کپڑا قرض دے اور اسکے بدلے سلا ہوا کپڑا لینا شرط کرلے یا لاہور میں روپیہ قرض دے اور کلکتہ میں جہاں اسکو روپیہ بھیجوانا منظور ہے ادا کرنے کی شرط لگا دے) جسکا شرعاً حکم اور اسکے فساد کا اثر صرف یہ ہے کہ اس شرط کو لغو سمجھا جائے۔ اور دائن کو اپنے روپیہ کا جب وہ چاہے حق مطالبہ دیا جائے۔ نہ یہ کہ اس شرط کو شرعاً صحیح اور واجب التسلیم سمجھکر اسکا حق مطالبہ ساقط کیا جائے۔ اور بنا بر علیہ اس قرض کو حدّ قرض سے اور اسکے سود کو حدّ سود سے خارج کیا جائے۔

بحرالرّائق و درّمختار وغیرہ کتب فقہ میں ہے کہ شرائط جائز بھی ہوں تو قرض

والقرض لا یتعلق بالجائز من
الشروط فالفاسد منها لا یبطله
ولکنه یلغو رد شیٔ اٰخر فلو
استقرض الدراهم المکسورة علی
ان یؤدی صحیحا کان باطلا وکذا
لو اقرضه طعاما بشرط رده فی
مکان اٰخر وکان علیه مثل ما قبض
فان قضاه اجود بلا شرط جاز
ویجبر الدائن علی قبول الاجود
وقیل لا۔ (بحر)۔ وفی الخلاصه

کے متعلق نہیں ہو سکتیں (یعنے وہ لائق لحاظ و اعتبار نہیں ہوتیں)۔ لہذا فاسد شرائط اس قرض کو باطل نہیں کرسکتیں ہیں۔ بلکہ شرط فاسد خود لغو و بیکار سمجھی جاتی ہے٭۔ سو اگر کوئی کسیکو ٹوٹے درہم قرض دیکر یہ شرط ٹھہرا لے کہ وہ سالم لیگا۔ تو یہ شرط باطل ہوگی۔ اور بعد یوں پر ایسے ہی ٹوٹے درہم کا واپس کرنا لازم ہوگا۔ نہ سالم درہم دینا ہوگا۔

٭ صحیح بخاری میں بصفحہ ۳۸۲ حدیث مروی ہے من اشترط شرطاً لیس فی کتاب اللّٰہ فلیس له وان اشترط مائة مرة جس شرط کی اجازت کتاب اللہ میں نہ ہو اسکا اعتبار نہیں ہے گو سو دفعہ مقرر کیا جائے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

القرض بالشرط حرام والشرط لغو بان یقرض علی ان یکتب بہ الی بلد فلان لیوفی دینہ۔ (درمختار ص ۲۰۴)

ایسا ہی اگر غلہ قرض دے اور یہ شرط کرلے کہ دوسری جگہ اسکو ادا کرے۔ ہاں اگر ناقص کے بدلے کھری چیز درہم وغیرہ بلا شرط سابق کوئی ادا کرے تو یہ جائز ہے۔ اور قرض دہندہ کو اس کھری چیز کے قبول کرنے پر مجبور کیا جائیگا۔ بعض کا قول ہے کہ وہ اسپر مجبور نہوگا۔ یہ بحر الرائق میں ہے۔ اور خلاصہ میں ہے کہ کسی شرط کے ساتھ قرض دینا حرام ہے۔ اور وہ شرط لغو و بیکار ہوگی جیسے کسیکو اس شرط سے قرض دینا کہ وہ اسکو کسی شہر کے رہنے والے کے نام ہنڈوی لکھ دے کہ وہ قرض وہاں ادا ہوگا۔

فقہاء حنفیہ کو شرط قرض سے (جائز کیوں نہوں) ناقابل اعتبار و عمل ٹھیراتے میں اسقدر تشدد ہے کہ وہ شرط میعاد کو بھی واجب اللحاظ نہیں سمجھتے۔ اور صاف لکھتے ہیں کہ دائن و مدیون میں جو میعاد مقرر ہو گئی ہو اس میعاد سے پہلے دائن کو مطالبہ قرض کا حق ہے۔ اور یہ میعاد قابل فسخ ہے۔

کتاب برہان شرح مواہب الرحمن اور ہدایہ وغیرہ کتب فقہ میں کہا ہے

وصح تاجیل کل دین حال سواء ثبت فی الذمۃ بعقد وباستهلاك حتی لو باع شیئا بثمن حال ثم اجله اجلا معلوما صار موجلا لان الحلول حق البائع فله اسقاطه بتاجیله تیسیرا علی من علیه الثمن ولانه یملك اسقاط المطالبة مطلقا بالابراء فیملك اسقاطها

کہ ہر ایک دین کو جو دم نقد واجب الوصول ہو۔ میعادی کر دینا صحیح ہے وہ دین کسی عقد بیع وغیرہ سے کسیکو ذمہ پر واجب ہوا ہو۔ خواہ اس کے ہاتھ سے کسیکی چیز تلف ہونے سے یہانتک کہ اگر کسینے نقد قیمت لینا ٹھیرا کر کوئی چیز فروخت کی ہو تو اسکو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مُدّۃً معیّنۃ بالتاجیل اولے -
++ الا القرض وهو ما ثبت فی
الذمة باستقراض فانه لا یصح تاجیله
حتی لو اجله مُدّة معیّنة عند الاقراض
او بعده لا یثبت الاجل وله المطالبة
فی الحال وقال مالک یصح تاجیل
القرض کسائر الدیون - وقال الشافعی
لا یصح تاجیل غیر القرض کالقرض -
ولنا ان القرض عارة وتبرع ابتداءً
ومعاوضة انتهاءً فعلی اعتبار الابتداءً
لا یلزم التاجیل فیه کالاعارة فان
المعیر ان وقت الاعارة فله ان
یستردها من ساعته اذ لا جبر فی التبرع
وعلی اعتبار الانتهاء لا یصح التاجیل
فیه لانه مبادلة الدراهم بمثلها نسیئة
وهو حرام (برهان مختصراً ومثله فی
الهدایۃ صفحہ ۳۷۶) -

میعادی کردینے سے وہ میعادی
ہوجائیگی - کیونکہ دم نقد قیمت وصول
کرنا بائع کا حق تھا - وہ اس حق کو میعاد
مقرر کرنے سے ساقط کردے تو
اسکو اختیار ہے - جیسا کہ بالکل قیمت
نہ لینے کا اختیار ہے - مگر قرض میں
یہ میعاد صحیح (یعنی لازمی) نہیں - وہ
بوقت قرض دینے کے یا اسکے بعد
ایک میعاد مقرر کر ہی چکا ہو تو اسکو جائز
ہے - کہ وہ اس قرض کا میعاد گزرنے
سے پہلے مطالبہ کرے - اور اس میعاد کو
بیکار کردے -

اور امام مالک کا قول ہے کہ قرض کا
میعادی ہونا بھی ویسا ہی صحیح ہے
جیسا کہ اور اقسام دین کا - امام شافعی
فرماتے ہیں کہ میعاد کسی دین میں صحیح
نہیں نہ قرض میں نہ اور کسی دین میں -

ہماری (حنفیہ کی) دلیل عدم صحت میعاد قرض پر یہ ہے کہ قرض ابتدائی
حالت کی نظر سے تو ایک احسان اور ایک چیز کا عاریۃً دینا ہے - اور
آخری حالت ادائے کی نظر سے وہ ایک معاوضہ ہے - پس اگر اسکو ابتدائی
حالت کی نظر سے دیکھا جائے تو اسمیں میعاد کا واجب اللحاظ ہونا ضروری نہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جیسا کہ عاریت کی چیزیں یہ امر لازمی نہیں - جو شخص اپنی چیز کسیکو عاریت دے وہ جب چاہے واپس لے سکتا ہے - کیونکہ احسان میں جبر نہیں ہو سکتا اور اگر اسکو آخری حالت کی نظر سے دیکھا جائے تو اسمیں میعاد جائز ہی نہیں - کیونکہ اسحالت میں روپیہ کی روپیہ سے بیع ہے - جسمیں ایک جانب کا ادھار کرنے سے ربا لازم آتا ہے جو حرام ہے"

حنفی مذہب کے اس مسئلہ اور اسکی دلیل سے ہمکو اتفاق نہیں ہے - اسباب میں ہم کو امام مالک علیہ الرحمہ کی رائے سے توافق ہے جنکے موافق ہمارے امام محمد بن اسمٰعیل بخاری بھی ہیں - جو اپنی کتاب صحیح کے صفحہ ۳۲۳ میں قرض کی میعاد کو جائز فرماتے ہیں - ہمارے اور ان ائمہ کے نزدیک قرض کی ابتدائی حالت (اسکا احسان و عاریت ہونا) واجب النظر ہے - اور احسان و عاریت میں بھی اپنے وعدہ کا لحاظ واجب ہے - جسکو امام بخاری نے اپنی کتاب کے صفحہ ۳۶۸ میں ثابت کیا ہے اور وہ اس رسالہ کے صفحہ (۲۴۴) میں بیان ہو چکا ہے

اسمقام میں اس مسئلہ مذہب حنفیہ کے بیان سے اس امر کا اظہار مقصود ہے کہ جس فقہ کے مسلمہ مسائل کے رو سے ہمارے انزایبل ریفامر شر عدم مطالبہ فوری کے سبب نوٹ کے قرض کو قرض ہونے سے خارج کرتے ہیں - اس فقہ میں شروط متعلقہ قرض کو اس وسعت کے ساتھ بے اعتبار اور اس کی صحت و بطلان میں غیر موثر ٹھرایا ہے کہ شروط صحیحہ کو بھی اس سے مستثنیٰ نہیں کیا - شروط فاسدہ کا انکے نزدیک کیا اثر و اعتبار ہے کہ وہ قرض کو قرض نہ رہنے دیں -

اس بیان سے خوب عیان ہے کہ گورنمنٹ پرامیسری نوٹ میں جو مطالبہ فوری کا حق ساقط کیا گیا ہے - یہ ایک ایسی شرط فاسد ہے جو فقہ کے رو سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لائق لحاظ نہیں ہے۔ اس شرط کو تسلیم کرنے سے اس نوٹ کا قرض حد قرض سے خارج نہیں ہوتا۔ اور نہ اسکا سود وحد سود قرض سے خارج ہوتا ہے۔ بلکہ اگر یہ شرط دائن (مالک نوٹ و زرنوٹ) اور مدیون (گورنر جنرل یا سکرٹری اوف سٹیٹ) کے اتفاق سے اٹھ جائے اور مالک نوٹ کو فوری مطالبہ کا حق حاصل ہو جائے۔ تو یہ قرض اس شرط فاسد کے اثر فساد سے بچ جائیگا۔ اور اگر یہ شرط بدستور قائم رہے۔ تو اس شرط کا اثر یہ ہوگا کہ اس قرض کا سود ڈبل ہو جائیگا۔ اسمیں ایک سود تو پہلے ہی موجود ہے جو فیصدی چار روپیہ سالانہ کے حساب سے گورنمنٹ نے دینا تسلیم کیا ہوا ہے۔ دوسرا سود وہ جو حنفی مذہب کی رو سے قرض کی میعاد مقرر کرنے سے لازم آتا ہے۔ اور اسکا بیان برہان شرح مواہب الرحمن کی عبارت میں ہو چکا ہے۔

بالجملہ فقہ کے مسائل مسلمہ کے رو سے پرامیسری نوٹ کا قرض شرعا قرض ہے۔ اور اسکا سود شرعا سود ہے نہ اسکو گورنر جنرل یا سکرٹری گورنمنٹ کا اپنی ذات سے مدیون نہونا قرض ہونے سے نکالتا ہے۔ نہ اسکی فوری مطالبہ کے حق کا ساقط ہونا اسکے قرض ہونے کو باطل کرتا ہے۔ ہمارے آنرایبل ریفامر نے جو کچھ اسباب میں بحوالہ فقہ کہا ہے اسکا فقہ میں کہیں نام و نشان نہیں ہے بلکہ اسکا خلاف اسمیں موجود ہے۔ آنرایبل ریفامر نے دھوکہ کھایا ہے۔ اگر کتب فقہ سے کچھ استنباط کیا ہے۔ اپنے عذر و خیال کی تائید میں جو آپ نے علماء دہلی اور بہادر شاہ بادشاہ کا قول و فعل نقل کیا ہے۔ وہ اس لائق نہیں ہے کہ اس سے آپکا مدعا کہ "پرامیسری نوٹ کا قرض شرعی قرض نہیں" ثابت ہو سکے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بہادر شاہ بادشاہ کا فعل تو اس لائق ہرگز نہیں کہ اسکا اقتدا کیا جائے اور جواز شرعی کی تائید میں اسکو پیش کرسکیں۔ بہادر شاہ کے اور افعال بہت ایسے مشہور ہیں جنکو کوئی مسلمان لائق اقتدا نہیں سمجھتا۔ ہم ان افعال کو اسلئے نقل و ذکر نہیں کرتے کہ اموات کے مساوی اعمال کے ذکر سے ہم شرع کیطرف سے روکے گئے ہیں۔

اب رہے اس فعل بہادر شاہ کے مصدق و مؤید وہ علماء جنکو ہمارے ریفامر مقدس کے خطاب سے یاد فرماتے ہیں۔ سو بہی اسحالت میں لائق لحاظ واقتدا ہیں کہ انرایبل ریفامر پہلے ان مقدسین کے نام لیں۔ پہر انکے دلائل جنکی نظر سے وہ فعل بہادر شاہ کے مصدق ہوئے تھے پیش کریں۔ ان دو شرطوں کے سوا انکو علماء مقدس کہنا اور انکے فعل و قول کی سند پیش کرنا مفید و مثبت مدعا نہیں ہوسکتا زیادہ ہم کیا کہیں۔ پاس ادب اور تہذیب مانع ہے۔

دوسری اور تیسری صورت کے قرض کو اُسکا حدّ قرض سے اور انکے سود کو حدِ سود سے خارج کرنا بہی اسی دلیل پر مبنی ہے کہ انمیں یا تو دائن اپنی ذات سے دائن نہیں ہوتا یا مدیون اپنی ذات سے مدیون نہیں ہوتا۔ جسکا حال ناظرین کو تقریر سابق سے معلوم اور بخوبی ثابت ہوچکا ہے کہ فقہ کے رو سے دائن یا مدیون کا اپنی ذات سے دائن یا مدیون ہونا ضروری اور شرط قرض نہیں ہے۔ مال وقف یا خزانہ سلطنت سے کسیکو قرض دینا۔ یا اسی کے ذمہ پر قرض اٹھانا بہی فقہ کے رو سے قرض کہلاتا ہے۔ انرایبل ریفامر کے عذر کے جملہ وجوہات کا جواب پورا ادا ہوا۔ اور ثابت ہوا کہ اس عذر کے وجوہات وشواہد سے پرامیسری نوٹ کا سود حلال

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہیں ہو سکتا۔ نہ گورنر جنرل یا سکرٹری اوف سٹیٹ کا اپنی ذات سے مدیون نہ ہونا اسکے سود کو حلال کرتا ہے۔ نہ اس نوٹ کے روپیہ کا میعاد ٹھہرانا ادا سے پہلے قابل الوصول نہ ہونا اسکی حلت کا مثبت ہے نہ بہادر شاہ بادشاہ کا فعل اور علماء دہلی معروض التقدیس کا قول اسکی حلت کا مؤید ہے۔ نہ کوئی اور وجہ حلت اس عذر میں پائی جاتی ہے۔ ذیل میں ہم اپنا ایک خط نقل کرتے ہیں جسکو تحریر جواب عذر سے پہلے ہم اس عذر کے معتذر کے نام اس غرض سے روانہ کر چکے ہیں کہ مبادا اس عذر کے ماحصل کو (جو ہمنے بیان کیا اور اسکا جواب دیا ہے) تسلیم نہ کیا جائے۔ اور "مطلب سعدی دیگر ست" کہکر ہمارے جواب کو ٹلایا جائے۔

وہ خط یہ ہے

لاہور۔ ۲۵ فروری ۹۱ء نمبر ۹۶

انرایبل سر

آپکی تفسیر کے جلد اول کے صفحہ ۳۰۷ وغیرہ میں جس پرامیسری نوٹ کا حکم بیان ہوا ہے وہ یہی نوٹ ہے جسکے ایک قطعہ کی نقل* مرسل خدمت ہے یا وہ اور ہے؟ وہی ہے تو اس امر سے اطلاع دیکر مطمئن فرما دیں۔ اور اگر وہ اور ہے تو اسکے مضمون سے مفصل اطلاع بخشیں اسی مقام تفسیر میں یہ افادہ ہوا ہے کہ فقہ مسلمہ کی رو سے قرض میں دائن اور مدیون کا مشخص و معین ہونا ضروری ہے۔ اور گورنمنٹ پرامیسری نوٹ میں مدیون کوئی شخص معین نہیں۔ بلکہ صرف ایک مفہوم (جسکو گورنمنٹ کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے) مدیون ہے۔ جو فقہ کی رو سے صلاحیت مدیون قرار پانے کی نہیں رکھتی۔ آپ کی نسبت دو استفسار ہیں۔ اول یہ کہ تعیین و تشخیص سے آپکی کیا مراد ہے۔ آیا یہی کہ وہ اپنی ذات سے دائن و مدیون ہو اور اپنے ذاتی مال سے اسکا لین دین کرے یا اور مراد ہے؟ دوم یہ کہ کتب فقہ میں اس مسئلہ کا کہاں ذکر ہے بحوالہ کتاب نقل عبارت جواب کا افادہ ہو۔

ابو سعید محمد حسین

* وہ نقل جسکا ترجمہ صفحہ ۲۷۶ میں منقول ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس خط کا جواب ہمنے ایسا پایا ہے جسنے ہماری فہم مطلب عبارت تفسیر کو تصدیق کیا۔ اب کسی معتقد ازابیل ریفارمر کو عذر مذکور کا موقع نہیں رہا۔ ذیل کے مسائل قرض کی ان صورتوں سے متعلق ہیں جنھیں گو بنظر ظاہر سود کا شبہہ پایا جاتا ہے۔ مگر حقیقت میں وہ سود نہیں ہے۔ یا باوجود سود ہونے کے وہ حکم حرمت سے مستثنیٰ ہیں۔

(۱۰)

مسئلہ

بیع سلم† (بدھنی یا بزبان پنجابی بانده) کے نرخ میں نرخ بازار کی نسبت کچھ زیادتی ہو۔ تو وہ داخل سود نہیں ہے بشرطیکہ خفیف ہو۔ شدید حد غبن تک نہ پہنچی ہو جسکے قبول کرنے میں بائع مجبور و مضطر ہو۔

تمثیل

گیہوں وغیرہ غلہ کا مختلف فصلوں میں مختلف نرخ ہوتا ہے۔ کبھی فی روپیہ بیس سیر کبھی پچیس ۲۵ کبھی تیس ۳۰ وعلی ہذا القیاس۔ ان ہی نرخوں میں سے کسی نرخ پر یا خفیف زیادتی پر کوئی بیع سلم کرے تو یہ زیادتی داخل سود نہیں اور اگر اسمیں شدید زیادتی کرے اور ایسی نرخ سے (جیسے من بھر یا دو من گیہوں لینی ٹھہرائے جسکو اہل تقویم (قیمت لگانے والے اہل الرائے) واجبی نرخ نہ کہیں۔ اور بائع اس نرخ کو اپنی حاجت اور ضرورت روپیہ کے سبب ناچار و

† بیع سلم معروف و مشہور ہے۔ اسمیں قیمت پیشگی دیجاتی ہے۔ اور اس کے بدلے غلہ وغیرہ مثلی اشیا ایک میعاد پر لیجاتے ہیں۔ اس کی شروط کتب فقہ و حدیث میں بتفصیل مذکور ہیں۔ انا نجملہ بعض شروط کا ذکر نمبر ۷ جلد ۱۲ میں بصفحہ (۲۰۹) ہو چکا ہے۔ اسمقام میں صرف اسکی زیادتی نرخ سے بحث منظور ہے کہ وہ سود ہے یا نہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مضطر ہو کر منظور کرے تو یہ زیادتی داخل سود ہے۔ کیونکہ اسکا موجب وہی دین ہے۔ جو قیمت غلہ میں پیشگی دیا گیا ہے۔

خفیف زیادتی کے جائز ہونے اور حد سود میں داخل نہ ہونے پر نقلی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیع سلم کی شروط جواز کو بیان کیا۔ (چنانچہ صفحہ ۲۰۹ میں بعض شرط کا ذکر ہے) تو انہیں شرط مساواۃ نرخ بازار کو بیان نہیں فرمایا۔ یہ شرط بھی اسمیں ملحوظ حضرت رسالت ہوتی تو ان شروط میں وہ بھی شمار کیجاتی۔

ابتدائی زمانہ مشروعیت بیع سلم (وقت تشریف آوری حضرت رسالت بمقام مدینہ منورہ) سے اسوقت تک مسلمانوں کا عمل درواج سلم دیکھا جاتا ہے تو اسمیں بھی شرط مساواۃ نرخ بازار کا اثر نہیں ملتا اور کتب فقہ وحدیث میں اس شرط کا پتہ نہیں لگتا۔ اِس خفیف زیادتی کے جائز ہونے اور حد سود قرض میں داخل نہ ہونے کی عقلی دلیل یہ ہے کہ جبکہ اہل تقویم اس خفیف زیادتی نرخ کو واجبی یا جائز سمجھتے ہیں۔ اور اُس روپیہ کو جو اس کے عوض میں پیشگی دیا جاتا ہے اسکی واجبی قیمت قرار دیتے ہیں تو اس سے صاف اور یقینی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ وہ زیادتی عوض بلا بدل اور صرف بمقابلہ اجل (میعاد قرض) نہیں ہے۔ بلکہ وہ اُس نقد روپیہ کے عوض وبدل میں ہے جو پیشگی دیا جاتا ہے۔ لہٰذا وہ زیادتی ناجائز اور حد سود قرض میں داخل نہوئی۔ کیونکہ سود قرض خاص کر اُس زیادتی کا نام ہے جو محض بلا بدل اور صرف بمقابلہ اجل ہو یعنی اسکا عوض بجز میعاد قرض اور کچھ نہو۔

ہاں اس روپیہ کے پیشگی دیئے جانے کی وصف کو بھی اس روپیہ کی بدلِ زیادت ہونے میں دخل ہے۔ مگر یہ دخل اس وصف کو موصوف (اصل روپیہ) کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بدل ہونے سے بے دخل نہیں کرتا اور اُس زیادتی کو محض بلا بدل اور صرف بمقابلہ اجل نہیں بناتا (جو تحقق سود قرض کے لیئے ضروری ہے)

اسپر اگر یہ **شبہ** ہو کہ اس صورت سے نرخ کی زیادتی شدید بھی جائز اور حد سود قرض سے خارج ہوسکتی ہے۔ اسمیں بھی یہ تقریر کیجاسکتی ہے کہ وہ بھی محض بلا بدل نہیں ہے۔ اس روپیہ کو جو پیشگی دیا جاتا ہے۔ اسکے بدل ہونے میں دخل ہے تو اسکا **جواب** یہ ہے کہ چونکہ اہل تقویم اس شدید زیادتی نرخ کو واجبی نرخ نہیں سمجھتے۔ اور اس روپیہ کو جو برائے نام و بحسب ظاہر اس زیادتی کے عوض میں دیا جاتا ہے۔ اس کی واجبی قیمت قرار نہیں دے سکتی۔ لہذا وہ زیادتی محض بلا بدل اور صرف بمقابلہ اجل ہے۔ اور وہ روپیہ جو بظاہر اسکے عوض میں دیا جاتا ہے حقیقۃً اسکا بدل نہیں ہے۔ بلکہ وہ روپیہ صرف اس قدر واجبی کا عوض ہے۔ جو بحکم عدل اس روپیہ کا بدل ہوسکتا ہے۔ اور قدر زائد (جو بحکم اہل تقویم روپیہ کے عوض سے بڑھکر ہے) وہ محض بلا بدل اور صرف بمقابلہ اجل ہے۔ اور اسی کو ہمنے زیادتی ناجائز اور حد سود میں داخل قرار دیا ہے۔

شدید زیادتی کے (جو حد غبن تک پہنچی ہو۔ اور بائع اسکو منظور کرنے پر بحکم ضرورت مجبور ہوا ہو) ناجائز اور حد سود قرض میں داخل ہونے کی **عقلی دلیل** تو وہ ہی ہے جو اس جواب میں بیان ہوئی ہے۔ اور **نقلی دلیل** یہ ہے کہ ایسی شدید زیادتی کو آنحضرت ؐ نے جائز نہیں رکھا اور صرف غبن کے خوف و احتمال کے وقت کلمہ لا خلابة (جسکے یہ معنی ہیں کہ بیع میں دھوکہ و غبن یا نقصان نہو) کہنے کا اختیار دیا اور پھر ایسی بیع کو فسخ کرنے کا حق عطا فرمایا۔ اور ایسی بیع کو بھی ناجائز قرار دیا جسمیں بائع غبن و نقصان کو جان بوجھ کر ناچاری و اضطرار کیحالت میں قبول کر لے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایسا ہی علما و فقہاء اسلام نے اس غبن کو ناجائز اور بحالت اضطرار اس غبن کے قبول کرنے کو نا قابل اعتبار قرار دیا ہے۔

کتاب منتقی الاخبار میں اس مضمون کا ایک باب منعقد کرکے

باب شرط السلامة من الغبن

عن ابن عمر قال ذكر رجل لرسول الله صلى الله عليه وسلم انه يخدع في البيوع فقال من بايعت فقل لا خلابة. متفق عليه

قوله لا خلابة - المراد انه اذا ظهر غبن رد الثمن واسترد المبيع - واختلف العلماء في هذا الشرط هل كان خاصا بهذا الرجل ام يدخل فيه جميع من شرط هذا الشرط فعند احمد ومالك في رواية عنه والمنصور بالله والامام يحيى انه يثبت الرد لكل من شرط هذا الشرط ويثبتون الرد بالغبن لمن لم يعرف قيمة السلع (نيل الاوطار ص ۲۴۴ ج ۵)

حضرت ابن عمر سے بروایت بخاری و مسلم یہ حدیث نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص کا ذکر ہوا کہ وہ بیع میں دھوکہ کھا جاتا ہے۔ آپ نے اسکو ہدایت کی کہ جب کسی سے تو بیع کرے تو یہ کلمہ "لا خلابۃ" (دھوکہ نہو) کہدیا کرے"

قاضی شوکانی نے اس حدیث کی شرح میں کہا ہے کہ اس کلمہ سے یہ مقصود ہے کہ بیع میں غبن معلوم ہو تو قیمت واپس لیجائے۔ اور خرید شدہ چیز واپس دیجائے۔ اور کہا ہے کہ علما کا اسمیں اختلاف ہے کہ یہ شرط کرنا اسی شخص سے خاص تھا یا یہ شرط ہر کوئی کر سکتا ہے۔ امام احمد اور امام مالک بنا بر یک روایت اور خلیفہ منصور۔ اور امام یحیی اس بات کے قایل ہیں کہ ہر کسیکو اس شرط کرنے کا اختیار ہے۔ یہ لوگ ہر کسیکے لئے جو قیمت سے ناواقف ہو غبن کے سبب استحقاق فسخ بیع کے قائل ہیں"

اس حدیث سے ناواقف کے لئے غبن کے سبب فسخ بیع کا استحقاق

پھیرو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور ایسے بیع کا عدم جواز ثابت ہے۔ اَب واقف ہو کر بحالت مجبوری واضطرار غبن پر راضی ہو جانے والے کے لئے فسخ بیع کا استحقاق اور اسکی بیع کا عدم جواز ثابت کیا جاتا ہے۔

ابو داؤد میں حدیث ہے[۱] کہ حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام نے خطبہ میں فرمایا کہ لوگوں پر ایسا زمانہ آئیگا جو کاٹ کھائیگا۔ (یعنی اسمیں ایک دوسرے کو کاٹیگا) مال دار اپنے ہاتھ کے مال پر دانت لگائیگا جسکا اسکو حکم نہیں خدا تعالیٰ یہ فرماتا ہے۔ تم اپنی بزرگی جو خدا نے ایک کو دوسرے پر مال میں دی ہے نہ بھولو۔ اور فرمایا لوگ مجبور کئے جائینگے کہ وہ اپنے مالوں کو فروخت کردیں۔ حالانکہ آنحضرت نے ناچار کا مال خریدنے سے اور دہوکے کے بیع سے۔ اور کچے پھلوں کی بیع سے منع کیا ہے۔"

فتح الودود حاشیہ ابی داؤد میں ہے۔ ناچار کے مال کی بیع سے یہ مراد ہے کہ ایک دوسرے کو مال کی بیع کرنے پر مجبور کریگا۔ یا اس سے یہ مراد ہے کہ قرض یا اور تکلیفوں کے

قال شیخ من بنی تمیم خطبنا علی بن ابی طالب سیاتی علی الناس زمان عضوض یعض الموسر علی ما فی یدیہ ولم یؤمر بذالک قال اللہ تعالیٰ ولا تنسوا الفضل بینکم ویبایع المضطرون وقد نھی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن بیع المضطر وبیع الغرر وبیع الثمرۃ قبل ان تدرک۔

(سنن ابی داؤد صـ۱۲۴ ج ۲)

قولہ ویبایع المضطرون۔ ای المکرھون بان یکرہ بعضھم بعضاً علی العقد او المحتاجون بدین او مئونۃ بان لا یعاونھم احد فیضطرون الی البیع بالیسیر مع ان اللائق باخوۃ الاسلام ان یعاونہ ویقرض الی المیسرۃ او یشتری منہ السلعۃ بقیمتھا فان عقد البیع علی ھذا الوجہ

[۱] سنن ابو داؤد وغیرہ میں ایک اور حدیث ممانعت ضرر رسانی میں وارد ہے۔ اس سے بھی اس مسئلہ پر استدلال ہو سکتا ہے۔ چنانچہ صـ۳۲۰ میں وہ استدلال آئیگا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لایخلو عن کراھیۃ۔
(فتح الودود حاشیہ ابی داؤد)

سبب لوگ اپنے مال کو سستا فروخت کرنے پر مجبور ہونگے۔

باوجودیکہ ایسے اشخاص کو مالی مدد دینا یا انکو روپیہ قرض دینا مناسب ہے یا انکی اشیا کو واجبی قیمت سے (نہ سستا) خرید لینا لائق ہے۔ ایسے لوگوں کا مال ارزاں خرید کیا جائے تو یہ امر برائی سے خالی نہیں۔

مشکوٰۃ کی شرح لمعات میں ہے کہ ناچار سے وہ شخص مراد ہے جسکو

المراد بہ المکرہ ای لا ینبغی ان یشتری ویبتاع من المکرہ وقیل یجوز ان یراد من المضطر المحتاج الذی اضطر الی البیع لدین رکبہ او مئونۃ لحقہ فیبیع رخیصًا بحکم الضرورۃ والمروۃ یقتضی ان لا یشتری منہ ویعان علی القرض (لمعات شرح مشکوٰۃ)

کوئی بیع پر مجبور کرے یعنی ایسے شخص سے کچھ خریدنا مناسب نہیں ہے۔ بعض نے کہا ہے اس سے وہ شخص مراد ہے جسکو قرض یا کسی اور تکلیف کی وجہ سے اپنا مال سستا بیچنا پڑے۔ ایسے شخص سے سستا مال خریدنا مروت کا مقتضا نہیں بلکہ اسکو اداے قرض میں مدد دینا چاہیے۔

درمختار میں ہے کہ اس شخص سے کچھ خریدنا یا اسکے ہاتھ میں کچھ بیچنا

بیع المضطر و شراؤہ فاسد۔
(درمختار ص ۲۴۳)

قولہ بیع المضطر و شراؤہ فاسد ھو ان یضطر الرجل الی طعام او شراب او لباس او غیرھا ولا یبیع البائع الا باکثر من ثمنہا بکثیر۔ وکذا فی

جو اس خرید و فروخت میں مجبور و مضطر ہو صحیح نہیں ہے۔ اسکے حاشیہ ردالمختار میں ہے کہ اسکی صورت یہ ہے کہ ایک شخص کھانے پینے یا پہننے کو ایک چیز کا محتاج اور ناچار ہے۔ اور اس چیز

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الشراء منه كذا في المنح - ۵۱ ج
وفيه لف ونشر غير مرتب لان
قوله كذا في الشراء منه اي من
المضطر مثال لبيع المضطر اي بان
اضطر الى بيع شيء من ماله ولم يرض
المشتري الا بشرائه بدون ثمن
المثل بغبن فاحش ومثاله ما لو الزمه
القاضي بيع ماله لايفاء دينه - او الزمه
الذمي بيع مصحف او عبد مسلم
ونحو ذلك (رد المحتار ص۱۰ ج۴)

کا مالک اسکو واجبی قیمت سے زیادہ کو فروخت کرتا ہے۔ ایسا ہی اضطرار اس صورت میں پایا جاتا ہے۔ کہ یہ ناچار اپنی چیز کو فروخت کرے۔ ایسا ہی کتاب منح الغفار میں ہے۔ یہ حلبی کا کلام ہے۔ اسمیں اضطرار کی صورت کا بیان ترتیب کتاب کے موافق نہیں ہوا۔ بلکہ پہلے خرید کی صورت بیان ہوئی ہے پھر فروخت کی فروخت مین ناچاری یہ ہے کہ ایک شخص اپنی چیز کو فروخت کرتا ہے۔ اور اسکا خریدار غبن فاحش سے اسکی قیمت کم دیتا ہے۔ اسکی مثال یہ ہے کہ ایک شخص کو حاکم وقت نے ادائے قرض کے لئے فروخت کا حکم دیا ہو۔ یا کسی ذمی (کافر جو مسلمانون کے ملک میں پناہ و امان لیکر رہتا ہو) کو قرآن شریف کی فروخت کرنے کا حکم دیا ہو۔ یا مسلمان غلام کی فروخت کرنے پر مجبور کیا ہو۔

درمختار میں یہ بھی کہا ہے۔ کہ ظاہر الروایۃ میں غبن فاحش (جسکو اہل تقویم واجبی قیمت نہ سمجھیں) کی وجہ سے بیع کو فسخ کرنے کا حکم نہیں ہے مگر لوگوں کے حال پر شفقت اور نرمی کے خیال سے فتویٰ اسپر ہے کہ درصورتیکہ بائع نے مشتری کو

ولا رد بغبن فاحش - هو ما لا يدخل
تحت تقويم المقومين في ظاهر
الرواية - وبه افتى بعضهم مطلقا كما
في القنية ثم رقم وقال ويفتى بالرد
رفقا بالناس وعليه اكثر روايات المضاربة

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ویدیفتی ثم رقم وقال ان غرہ
ای غر المشتری البائع او بالعکس او غرہ
الدلال فلہ الرد والا لا وبہ افتی
صدر الاسلام وغیرہ (در مختار ص۱ ج۴)

یا مشتری نے بائع کو یا دلال نے
فریقین سے کسی کو دھوکہ دیا ہو تو بیع
فسخ ہوگی۔ ایسا ہی صدر الاسلام
وغیرہ نے فتویٰ دیا ہے۔

اسکے حاشیہ رد المحتار میں کہا کہ فتح القدیر میں ہے کہ امام علاء الدین سمرقندی

لاکن نقل فی الفتح ان الامام
علاء الدین السمرقندی ذکر فی
تحفۃ الفقہاء ان اصحابنا یقولون
فی المغبون انہ لا یرد لاکن ہذا فی
مغبون لم یغر اما فی مغبون غر یکون لہ
حق الرد استدلالا بمسئلۃ المرابحۃ
اہ۔ ای بمسئلۃ ما اذا خان فی المرابحۃ
فان ذالک تغریر یثبت بہ الرد —
(رد المحتار ص۱۵۹ ج۴)

نے تحفۃ الفقہاء میں ذکر کیا ہے کہ
ہمارے فقہاء غبن کے سبب فسخ
بیع کے قائل نہیں۔ مگر یہ اس صورت
میں ہے کہ اس بیع میں دھوکہ نہ دیا گیا ہو
اور اگر دھوکہ دیا گیا ہو۔ تو اس شخص
کو جسنے دھوکہ کھایا فسخ بیع کا حق ہے
اسپر اس مسئلہ سے استدلال کیا گیا
ہے جو مسئلہ بیع مرابحہ (خرید
وغیرہ پر منافع ٹھہراکر فروخت کرنا)
میں کہا گیا ہے۔ کہ اگر اسمیں خیانت ثابت ہو تو فسخ بیع کا اختیار ہے۔"

ان روایات حدیثیہ اور فقہیہ سے صاف ثابت ہے کہ اگر ایک چیز کے نرخ یا قیمت میں شدید زیادتی ہو اور وہ حد غبن تک پہنچی ہو۔ اور اس زیادتی کو کسینے نادانستگی سے دھوکہ کھاکر قبول کر لیا ہو یا دین دانستہ بحالت اضطرار مان لیا ہو۔ تو وہ بیع جائز نہیں بلکہ فاسد اور لائق فسخ ہے۔

یہ حکم (عدم جواز غبن) شارع علیہ السلام اور علماء و فقہاء کرام کے نزدیک ہر ایک بیع کی نسبت ہے (دست بدست ہو خواہ ایسی جسکی ایک جانب سے قرض ہو جسمیں بیع سلم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بھی داخل ہے) عام ہے۔ اور خاص کر بیع سلم بوجہ اقدم وبطریق اولیٰ اس حکم کے محل ہے۔ کیونکہ اسمیں غبن ہو۔ اور اسکو دیدہ دانستہ منظور کیا گیا ہو۔ تو اسکی وجہ وعلت بجز میعاد قرض کچھ بن نہیں سکتی۔ اور اس سے صریح سود قرض لازم آتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ حدیث اور فقہ میں خاصکر بیع سلم کے متعلق میں اس حکم کے بیان سے تعرض نہیں ہوا۔ اور اس بیع کو بوجہ اولیٰ مشمول حکم عام ہونے کی نظر سے اسی عام حکم کے بیان کو کافی سمجھا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ اس حکم عام (عدم جواز غبن) سے بیع سلم کو مستثنےٰ کیا گیا ہے۔ اور اسمیں غبن کو جائز قرار دیا گیا۔ ایسا ہوتا تو حدیث اور فقہ میں بیع سلم کے غبن کا جواز بیان کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ اسکے اور مستثنیات وخواص کا (جیسے ایک جانب کے ادھار ہونے یا اسکے عقد بیع کے وقت مبیعہ کی موجود نہونے کا) جواز بیان ہوا ہے۔ بالجملہ بیع سلم کے نرخ میں نرخ بازار سے کسیقدر زیادتی ہو تو وہ جائز ہے۔ زیادتی شدید حد غبن تک ہو تو وہ داخل سود ہے۔

(۱۱)

مسئلہ

ایک چیز جو نقد قیمت پر ارزاں دیجاتی ہو۔ اگر ادھار پر کسیقدر گراں اور زیادہ قیمت کو دیجائے۔ تو یہ زیادتی بھی داخل سود نہیں ہے۔ اسی شرط سے کہ وہ زیادتی حد غبن تک نہ پہنچے۔ اور اسکے قبول کرنے پر مشتری مجبور ومضطر ہو

تمثیل

ایک کپڑا نقد قیمت پر ایک روپیہ کو فروخت ہوتا ہے۔ اسکو ادھار قیمت پر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک روپیہ ایک* آنہ کو فروخت کیا جائے۔ تو یہ زیادتی داخل سود نہیں ہے۔ اور اگر ایک روپیہ کی جگہ اسکے ڈیڑہ روپیہ یا دو روپیہ لئے جائیں۔ اور بیچارہ خریدار جسکو اور کہیں سے اس سے کم ادہار قیمت کو کپڑا ہاتہ نہ آوے یہی قیمت منظور کرلے تو یہ زیادتی خاصہ سود ہے۔

اس صورت میں خفیف زیادتی کے جائز ہونے اور داخل سود نہونے۔ اور زیادتی شدید کے (جو حد غبن کو پہنچے اور مشتری اسکے قبول کرنے میں مضطر ہو) ناجائز اور حد سود میں داخل ہونے پر وہی دلائل ہیں جو بیع سلم کے دونو قسم زیادتی کے ثبوت حکم میں گذر چکے ہیں کیونکہ یہ صورت اور بیع سلم کی صورت دونو میں یکساں ہیں انمیں ایک جانب کا نقد ہونا دوسری جانب کا ادہار ہونا یکساں پایا جاتا ہے۔ اسمیں انمیں فرق ہے تو صرف یہ ہے کہ بیع سلم میں قیمت پیشگی نقد دیجاتی ہے (جو بائع کے ذمہ قرض ہوتا ہے) اور اسکے عوض غلہ وغیرہ کا ادہار کیا جاتا ہے۔ اور اس صورت میں قیمت کا ادہار کیا جاتا ہے (اور وہ مشتری کے ذمہ پر قرض ہوتا ہے) اور اسکا عوض فروختنی چیز دم نقد دیجاتی ہے۔ ولیکن یہ فرق ان دونو میں ایکجانب کے قرض ہونے میں کوئی تفاوت پیدا نہیں کرتا۔ لہذا جو زیادتی خفیف ہو وہ دونو میں یکساں جائز ہے۔ شارع کا اس زیادتی سے منع نکرنا۔ اور عرف و عمل عام اہل تقویم کا اسکو بدل مقابل کا ایک عوض سمجھکر جائز رکھنا اسکے جواز پر کافی دلائل ہیں اور جو زیادتی شدید ہو اور وہ حد غبن تک پہنچی ہو۔ اور اوس کے قبول کرنے پر کوئی شخص (بائع یا مشتری) مجبور ہو۔ وہ دونو میں یکساں ناجائز ہے شارع علیہ السلام اور علماء اسلام کی احادیث و اقوال منقولہ بالا اسکی عدم جواز پر صریح دلائل ہیں۔ اور اس زیادتی کا حکم اہل تقویم محض بلا بدل اور صرف مقابلہ اجل

فضل دین

* ایک آنہ کا ذکر بطور تمثیل ہے اہل تقویم چار آنہ بلکہ آٹھ آنہ کو واجبی قیمت قرار دیں تو وہ بھی سود نہ ہوگی۔

© rasailojaraid.com

ہونا اسکے سود قرض ہونے کا کافی دلیل ہے۔

اس مسئلہ کے متعلق بھی شارع علیہ السلام کا کوئی خاص حکم جو صریح اور صحیح ہو دیکھا نہیں گیا۔ اسی حکم عام (عدم جواز غبن) سے اس مسئلہ کا حکم ثابت ہوتا ہے بعض علما اسلام کو اس مسئلہ میں اختلاف ہے جو بعض احادیث غیر صحیحہ یا غیر صریحہ کی تفسیر و استنباط پر مبنی ہے۔

ذیل میں ہم ان احادیث اور ان علماء کے اختلاف کو نقل کرتے ہیں۔ اسکے بعد ہم یہ ثابت کرینگے کہ ان احادیث سے انکا خیال و مقال ثابت نہیں ہو سکتا۔ اور اس مسئلہ کا صحیح حکم وہی ہے جو ہمنے بیان کیا ہے

ترمذی نے ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت نے ایک بیع میں دو بیع کرنے سے

عن ابی ھریرۃ قال نھی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن بیعتین فی بیعۃ ھذا حدیث حسن صحیح وقد فسر بعض اھل العلم قالوا بیعتین فی بیعۃ ان یقول ابیعک ھذا الثوب بنقد بعشرۃ وبنسیئۃ بعشرین ولا یفارقہ علی احد البیعتین فاذا فارقہ علی احدھما فلا باس اذا کانت العقدۃ علی واحد منہما۔ قال الشافعی ومن معنی ما نھی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن بیعتین فی بیعۃ ان یقول ابیعک داری ھذا بکذا علی ان تبیعنی غلامک بکذا

منع کیا ہے۔ اس حدیث کو ترمذی نے حسن صحیح کہا ہے۔ اسکے بعد ترمذی نے کہا ہے۔ اس حدیث کی تفسیر بعض اہل علم نے اس صورت سے کی ہے کہ بائع کہے فلاں پارچہ کو نقد قیمت ہو تو دس کو بیچا اور ادھار رہے تو بیس کو۔ اور ان دو نو میں سے ایک بیع پر وہ خریدار سے علیحدہ ہوا ہو تو یہ بیع جائز نہیں۔ اور اگر ایک قیمت پر اسکا فیصلہ ہو گیا ہو تو پھر اس بیع میں کوئی عیب نہیں ہے۔ امام شافعی نے اسکی تفسیر میں کہا ہے کہ ایک شخص دوسرے کو کہے کہ میں اپنا گھر اس

© rasailojaraid.com

فاذا وجب لی غلامك وجب لك داری وهذا تفارق علی بیع بغیر ثمن معلوم ولا یدری کل واحد منهما ما وجبت علیه صفقته

(جامع ترمذی ص۲۱)

شرط سے تیرے ہاتھ فروخت کیا کہ تو اپنا غلام میرے ہاتھ فروخت کرے۔ اس صورت میں وہ دو تو بغیر مقرر کرنے قیمت ان اشیا کے باہم جدا ہونگے اور کوئی نہ جانے گا۔ کہ اسکا فیصلہ کس قیمت پہ ہوا۔"

امام مالک نے کتاب موطا میں اس حدیث کو نقل کرکے امام قاسم بن محمد

مالك انه بلغه ان القاسم بن محمد سئل عن رجل اشتری سلعة بعشرة دنانیر نقدا او بخمسة عشر دینارا الی اجل فکره ذلك ونهی عنه۔ قال مالك فی رجل ابتاع من رجل سلعة بعشرة دنانیر نقدا او بخمسة عشر دینارا الی اجل وقد وجبت للمشتری باحد الثمنین قال مالك انه لا ینبغی ذلك لانه ان اخر العشرة کانت خمسة عشر الی اجل وان نقد العشرة کان انما اشتری بها الخمسة عشر التی الی اجل۔ (موطا مالك ص۲۷۴)

سے نقل کیا ہے کہ آپ سے کسی نے پوچھا کہ ایک شخص نے ایک چیز دس دینار نقد یا پندرہ دینار ادھار کو خرید کی ہے۔ آپنے اسکو مکروہ کہا اور اس سے منع کیا۔ امام مالک خود اُس شخص کے حق میں جسنے ایک چیز دس دینار نقد یا پندرہ دینار ادھار کو خرید کی۔ پھر انکا ایک بات پر فیصلہ بھی ہو گیا۔ فرمایا ہے کہ یہ مناسب نہیں ہے۔ کیونکہ اگر اُس نے دس نقد نہ دیئے تو وہی دس ادھار سے پندرہ ہو گئے اور اگر نقد دس دیدے تو گویا اس نے وہ پندرہ جو ادھار تھے اس دس کو خرید کئے۔

سنن ابی داؤد میں ابو ہریرہ رض سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من باع بیعتین فی بیعۃ فلہ اوکسہما او الربا۔ (ابوداؤد ص ۱۳۴)	نے فرمایا جو شخص ایک بیع میں دو بیع کرے گا وہ یا تو دونوں میں سے کم قیمت کا مستحق ہے۔ یا سود لینے والا ہوگا۔

کتاب **منتقی الاخبار** میں بروایت امام احمد عبد الرحمن بن عبداللہ بن مسعود سے

وعن سماک عن عبد الرحمن بن عبد اللہ بن مسعود عن ابیہ قال نہی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن صفقتین فی صفقۃ قال سماک ھو الرجل یبیع المبیع فیقول ھو بنساء بکذا وبنقد بکذا وکذا رواہ احمد۔ (منتقی الاخبار ص ۱۲۰ ج ۵)	نقل کیا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بیع میں دو بیع سے منع کیا ہے۔ پھر اس کی تفسیر راوی حدیث سماک سے وہ نقل کی جو ترمذی اور امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے منقول ہوئی ہے۔

قاضی شوکانی نے اس حدیث کی شرح میں کہا ہے کہ ابو ہریرہ کی

حدیث ابی ہریرۃ باللفظ الاول (یعنی فلہ اوکسہما او الربا) فی اسنادہ محمد بن عمرو بن علقمۃ و قد تکلم فیہ غیر واحد۔ قال المنذری والمشہور عنہ فی روایۃ الدراوردی ومحمد بن عبد اللہ الانصاری انہ صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن بیعتین فی بیعۃ قولہ من باع بیعتین فسرہ سماک	حدیث کا (جسمیں زیادہ قیمت لینے کو سود کہا گیا ہے) راوی محمد بن عمرو بن علقمہ ہے۔ اور اسکے ثقہ (عادل وضابط) ہونے میں بہت سے محدثین کو کلام ہے۔ منذری نے کہا ہے۔ کہ مشہور ابو ہریرہ سے وہ روایت ہے جو دراوردی اور محمد بن عبد اللہ انصاری نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بما رواه المصنف عن احمد عنه وقد وافقه على مثل ذالك الشافعي۔ فقال بان يقول بعتك بالف نقدًا او الفين الى سنة فخذ ايهما شئت انت وشئت انا ونقل ابن الرفعة عن القاضي ان المسئلة مفروضة على انه قبل على الابهام اما لو قال قبلت بالف نقدًا او بالفين بالنسية صح ذالك وقد فسر الشافعي بتفسير اخر فقال هو ان يقول بعتك هذا العبد بالف على ان تبيعني دارك بكذا اى اذا وجب لك عندى وجب لى عندك وهذا يصلح تفسيرًا للرواية الاخرى من حديث ابى هريرة لا للاولى فان قوله فله اوكسهما يدل على انه باع الشئ الواحد ببيعتين بيعة باقل وبيعة باكثر وقيل فى تفسير ذالك هو ان يسلفه دينارًا فى قفيز حنطة الى شهر فلما حل الاجل وطالبه بالحنطة۔ قال بعنى القفيز

آ انسے نقل کی ہے۔ جسمیں صرف یہ بیان ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک بیع میں دو بیع کرنے سے منع کیا ہے یعنی اسمیں زیادہ قیمت لینے کو سود لینا نہیں فرمایا گیا۔ پھر شوکانی نے کہا ہے کہ ایک بیع میں دو بیع کی تفسیر میں جو سماک نے کہا ہے ویسا ہی امام شافعی نے کہا ہے۔ کہ وہ ایک شخص کا دوسرے کو یوں کہنا ہے کہ یہ چیز میں نے ایک ہزار نقد کو یا دو ہزار ایک سال تک ادھار کو فروخت کی جو قیمت تجھے منظور ہو تو منظور کر۔ جو تجھے منظور ہو گی میں منظور کرونگا۔ ابن الرفعہ نے قاضی سے نقل کیا ہے کہ یہ اسی صورت میں ہے کہ کوئی مول اسکی منظوری ہو۔ اور اگر ہزار نقد یا دو ہزار ادھار قبول کیا جائے تو یہ بیع صحیح ہے۔ امام شافعی نے اسکی دوسری تفسیر بھی کی ہے (جو ترمذی کی کلام میں انسے منقول ہو چکی ہے) مگر یہ تفسیر حدیث ابو ہریرہ کی اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الذی لك علی الی شهرین بقفیزین فصار ذالك بیعتین فی بیعة لان البیع الثانی قد دخل علی الاول فیرد الیه اوکسهما وهو الاول کذا فی الشرح السنن لابن رسلان ++ قوله او الربا یعنی او یکون قد دخل هو وصاحبه فی الربا المحرم اذا لم یاخذ الاوکس بل اخذ الاکثر فی ذالك ظاهر فی التفسیر الذی ذکره ابن رسلان و اما فی التفسیر الذی ذکره احمد عن سماك وذکره الشافعی ففیه متمسك لمن قال یحرم بیع الشئ باکثر من سعر یومه لاجل النساء وقد ذهب الی ذالك زین العابدین علی بن الحسین والناصر والمنصور والهادویة والامام یحیی ـ وقالت الشافعیة والحنفیة وزید بن علی والموید بالله والجمهور انه یجوز لعموم الادلة القاضیة بجوازه وهو الظاهر لان ذالك المتمسك هو الروایة الاولی من حدیث ابی هریرة وقد عرفت ما فی راویها من المقال

روایت کی تفسیر ہو سکتی ہے ـ جسمیں صرف یہ بیان ہے ـ کہ آنحضرت صلعم نے ایک بیع میں دو بیع کرنے سے منع کیا ہے ـ نہ اس روایت کی جسمیں زیادہ قیمت لینے کو سود لینا کہا ہے ـ کیونکہ وہ حدیث بتا رہی ہے کہ اسمیں ایک ہی چیز کی دو قیمتوں (ایک کم ایک زیادہ) کا حکم بیان ہوا ہے ـ اس حدیث کی (جسمیں زیادہ قیمت لینے کو سود کہا ہے) تیسری تفسیر یہ ہوئی ہے کہ ایک شخص دوسرے کو ایک دینار قرض دے اور اسکے بدلے ایک پیمانہ گیہوں ایک مہینے کی میعاد پر لینی کرے ـ پھر جب وہ گذر جائے اور دینار والا اس سے گیہوں کا مطالبہ کرے تو گیہوں والا اسے یہ کہے کہ اس پیمانہ کو جو میرے ذمہ ہے تو میرے ہاتھ میں دو پیمانہ کے عوض میں دو مہینے کی میعاد پر فروخت کر دے ـ اس صورت میں ایک بیع میں دو بیعیں اسلئے ہو گئیں کہ دوسری بیع پہلی بیع میں شامل ہو گئی ـ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ومع ذلك فالمشهور عنه اللفظ الذی رواه غیره وهو النهی عن بیعتین فی بیعة ولا حجة فیه علی المطلوب ولو سلمنا تلك الروایة التی تفرد بها هذا الراوی صالحة للاحتجاج لكان احتمالها لتفسیر خارج عن محل النزاع كما سلف عن ابن رسلان قادحًا فی الاستدلال بها علی المتنازع فیه علی ان غایة ما فیها الدلالة علی المنع من البیع اذا وقع علی هذه الصورة وهی ان یقول نقدًا بكذا ونسیئة بكذا لا اذا قال من اول الامر نسیئة بكذا فقط وكان اكثر من سعر یومه مع ان المتمسكین بهذه الروایة یمنعون من هذه الصورة ولا یدل الدلیل علی ذلك فالدلیل اخص من الدعوی۔ وقد جمعنا رسالة فی هذه المسئلة وسمیناها شفاء الغلل فی حكم زیادة الثمن لمجرد الاجل۔ وحققناها تحقیقا لم نسبق الیه۔ والعلة فی تحریم بیعتین فی بیعة عدم استقرار الثمن فی صورة

اب گیہوں والے کو گیہوں کی کم قیمت ہاتھ آئیگی یعنے دو پیمانہ کی قیمت کی جگہ ایک پیمانہ کی قیمت یہ تفسیر ابن رسلان نے شرح سنن میں بیان کی ہے۔ آنحضرت صلعم کے اس قول کے کہ یا وہ سود لینے والا ہوگا۔ یہ معنی ہیں کہ جب اسنے زیادہ قیمت لی تو دونوں ربا ہی حرام میں جا پڑے۔ ایک نے دیا دوسرے نے لیا۔ یہ معنی اسی تفسیر کی راہ سے ہیں۔ جو ابن رسلان نے بیان کی ہے۔

اور جو تفسیر سماک اور امام شافعی نے بیان کی ہے اسمیں امام زین العابدین اور ناصر و منصور اور فرقہ ہادویہ کہ اس قول کی کہ کسی چیز کا ادھار کی وجہ سے نرخ بازار سے زیادہ نرخ پر خرید کرنا (یا کسی چیز کی ادھار کی وجہ سے زیادہ قیمت لینا) حرام ہے یا دلیل و سند پائی جاتی ہے۔

فقہاء شافعیہ اور حنفیہ اور زید بن علی (فرقہ زیدیہ کے امام) اور خلیفہ مؤید باللہ اور اکثر علما اس بات کی قائل ہیں کہ یہ بیع جائز ہے۔ اور ان دلائل کا عموم

فضلدین

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بيع الشئ الواحد بثمنين - والتعليق بالشرط المستقبل في صورة بيع هذا على ان يبيع منه ذلك ولزوم الربا في صورة قفيز الحنطة - (نيل الاوطار ص۱۲۰ و ۱۳۱ ج ۵)

(جنمیں نرخ بازار سے مساواۃ کی قید وخصوصیت نہیں لگائی) اس جواز پر دلیل ہے۔
اور یہی مذہب (جواز تفاوت نرخ) ظاہر دلائل سے ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ جس حدیث سے عدم جواز پر استدلال کیا جاتا ہے (یعنے حدیث ابوہریرہ کی وہ روایت جسمیں زیادتی قیمت کو سود کہا گیا ہے)۔ اسمیں محدثین کی گفتگو تجھے بیان سابق سے معلوم ہو چکی ہے۔ اور ابوہریرہ سے مشہور روایت وہی ہے جسمیں صرف ایک بیع میں دو بیع سے ممانعت آئی ہے۔ اور اسمیں زیادتی کی ممانعت پائی نہیں جاتی۔ ہم اس حدیث کو (جسمیں زیادتی کو سود کہا گیا ہے) صحیح اور لائق تمسک بھی مان لیں مگر اسمیں اس تفسیر کا احتمال جو ابن رسلان کی کلام میں گذر چکی ہے۔ اس سے تمسک کرنے سے روکتا ہے۔ اور اسکو توڑتا ہے۔ اس حدیث سے زیادہ سے زیادہ ثابت ہوگا۔ تو خاصکر اس بیع کا عدم جواز ثابت ہوگا جسمیں کوئی ایک ہی بولی میں کہے کہ فلاں چیز کی نقد قیمت یہ ہے اور ادھار قیمت یہ ہے۔ نہ اس بیع کا عدم جواز جسمیں سرے سے صرف ادھار قیمت نرخ بازار سے زیادہ بتائی گئی ہو۔ اور نقد قیمت کا نام ہی نہ لیا گیا ہو۔ باوجودیکہ مخالفین اس صورت بیع کو بھی ناجائز کہتے ہیں اور انکی دلیل حدیث مذکور صحیح بھی ہو تو وہ اس بیع کے عدم جواز کو ثابت نہیں کرتی۔ پس انکا دعوی عام ہے اور دلیل خاص جو قابل سماعت نہیں ہے ضیتے اسباب میں ایک رسالہ لکھا ہے۔ جسمیں نام شفاء العلل اسمیں ہم نے اس مسئلہ کی ایسی تحقیق کی ہے جسمیں ماہر کسیکو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سبقت نہیں ہوئی۔[1]

ایک بیع میں دو بیع کے حرام ہونے کی وجہ (اگر اسکی تفسیر وہ ہو جو سماک نے کی ہے۔) یہ ہے کہ اسمیں دام مقرر نہیں ہوتا یا (اگر اسکی تفسیر وہ ہو جو امام شافعی کی دوسری تفسیر ہے) یہ وجہ ہے کہ اسمیں ایک ایسی شرط لگائی جاتی ہے۔ جسکا بالفعل وجود نہیں ہے۔ یا (اگر اسکی تفسیر وہ ہو جو ابن رسلان نے کی ہے) یہ وجہ ہے کہ زیادہ قیمت لینے سے سود لازم آتا ہے۔

ان روایات اور عبارات سے ثابت ہے کہ ایک چیز کو جسکی نقد قیمت کم ہو ادھار کی حالت میں زیادہ قیمت پر (جو حد غبن[2] تک نہ پہنچے) فروخت کرنا جمہور علماء اسلام کے نزدیک جائز ہے۔ بعض علما کو اس زیادتی قیمت کے عدم جواز کا دعویٰ ہے۔ مگر وہ اس دعوے پر کوئی صحیح اور صریح حدیث دلیل نہیں رکھتے۔

انکی متمسک پہلی حدیث ابو ہریرہ جسکو ترمذی نے روایت کیا ہے گو صحیح ہے (چنانچہ ترمذی نے اسکی تصحیح کی ہے) مگر وہ حدیث زیادتی قیمت ادھار کے عدم جواز میں صریح نہیں ہے۔ اس حدیث کی تفسیر و بیان معانی میں علما کا اختلاف ہے۔ از انجملہ بعض معنے ایسے بھی ہیں (جو امام شافعی سے ترمذی وغیرہ نے نقل کئے ہیں) جسکو عدم جواز زیادتی قیمت سے کوئی تعلق نہیں

---

[1] اس رسالہ کے نام سے اور قاضی شوکانی کی اس رائے سے جو اس عبارت سے ظاہر ہوتی ہے۔ مفہوم ہوتا ہے کہ اگر زیادتی ایسی ہو جسکا بدل بجز میعاد قرض کچھ نہ ہو سکے یعنی زیادتی شدید حد غبن تک ہو تو وہ داخل سود ہے۔ اور اگر وہ ایسی زیادتی ہے جسکو اہل تقویم واجبی نرخ ہو کر دیں وہ روپیہ جو اسکے عوض میں دیا گیا ہو اسکی واجبی قیمت بن سکے تو وہ زیادتی جائز ہے

[2] ہر چند اس قید پر اس مقام میں تصریح نہیں ہوئی ولیکن چونکہ اپنی جگہ اس مسئلہ عدم جواز غبن پر حدیث اور کلام ائمہ کا تصریح ہو چکی ہے چنانچہ مسئلہ سوم کے ضمن میں ثابت ہوا لہذا یہ قید ہر ایک بیع میں ملحوظ ہے۔ اور ہر جگہ اسپر تصریح کرنے کو ضروری نہیں سمجھا گیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دوسری حدیث ابوہریرہ رضہ جسکو ابوداؤد نے روایت کیا ہے تین وجہ سے عدم جواز کی دلیل نہیں ہو سکتی۔ **وجہ اوّل** یہ کہ وہ حدیث صحیح نہیں **وجہ دوم** یہ کہ اسکی تفسیر و بیان معانی میں بھی علمار کا اختلاف ہے۔ اور ابن رسلان نے اسکے ایسے معنی بیان کئے ہیں جنکو عدم جواز زیادتی قیمت ادہار سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ **وجہ سوم** یہ کہ اگر اس حدیث کو صحیح مان لیں اور عدم جواز زیادتی قیمت سے اسکا تعلق ہونا بھی تسلیم کرلیں۔ تو پھر بھی وہ اسی حالت میں زیادتی قیمت ادہار سے مانع ہو سکتی ہے۔ جبکہ ایک ہی وقت میں ایک ہی بولی میں بائع فروختی چیز کی دونو قیمت (نقد اور ادہار یا کم اور زیادہ) کا ذکر کرے۔ اور پھر ادہار پر زیادہ قیمت لینا ٹھہرا لے (جیسیکہ امام مالک نے اسکی صورت بیان کی ہے) اور اگر اسکی بیع کیوقت اس نے سرے سے ادہار قیمت کا (جو زائد ہو) ذکر کیا ہو اور کم قیمت کا نام ہی نہ لیا ہو۔ تو اس حالت میں وہ حدیث اس زیادتی قیمت سے مانع نہیں ہو سکتی۔ اور نہ اس صورت میں اسکی نسبت یہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ اسنے کم قیمت نقد (مثلاً دس روپیہ) کو زیادہ قیمت ادہار (مثلاً پندرہ روپیہ) سے فروخت کیا۔ اور اسی دس کو پندرہ بنا لینا (جیسا کہ امام مالک نے ناجائز صورت کی تفسیر میں کہا ہے)۔

اس وجہ سوم میں پہلی حدیث ابوہریرہ رضہ کا جو ترمذی نے نقل کی ایک اور جواب ادا ہوا۔ اگر اسکے ایسے معنے کئے جاویں (چنانچہ امام مالک اور سماک راوی نے کئے ہیں) جنکی نظر سے وہ عدم جواز زیادتی قیمت ادہار سے متعلق ہو سکے۔ اور اسمیں امام مالک کے قول اور دلیل کا جواب بھی ادا ہوا کہ جس صورت کی زیادتی قیمت کو وہ ناجائز فرماتے ہیں وہ اسی حالت میں پائی جاتی ہے۔ جبکہ ایک وقت میں ایک عقد میں دونو قیمت کا بائع

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے ذکر کیا ہو۔ اور اگر صرف ایک قیمت ادھار کا بائع نے ذکر کیا ہو۔ تو اس قیمت کی زیادتی کو نہ امام مالک کا قول مذکور ناجائز قرار دیتا ہے۔ اور نہ انکی دلیل سے اسکا عدم جواز ثابت ہوسکتا ہے۔

ان عبارات میں جو نقد اور ادھار قیمت کے بیان میں ایک ہزار۔ اور دو ہزار کا ذکر ہوا ہے وہ یا تو صرف فرضی تمثیل ہے۔ یا اس سے یہ مراد ہے کہ جو چیز واجبی قیمت ادھار دو ہزار رکھتی ہے اسکو ایک ہزار نقد پر فروخت کرنا جائز ہے۔ اس سے یہ مراد ہرگز نہیں کہ جو چیز واجبی قیمت نقد ایک ہزار رکھتی ہو اسکو دو ہزار ادھار پر فروخت کرنا جائز ہے۔ تاکہ اس تمثیل غبن فاحش کا جواز ثابت ہو۔ ایسے غبن فاحش کو کوئی شخص جائز نہیں کرسکتا۔

غبن فاحش کے عدم جواز پر (بیع سلم میں ہو خواہ ادھار قیمت کی صورت میں جسکو کوئی نادانی یا ناچاری سے منظور کرے) وہ حدیث بھی دلیل ہوسکتی ہے جسمیں ارشاد ہے کہ ضرررسانی اسلام میں جائز نہیں۔ اس حدیث کے ظاہر الفاظ سے ثابت ہے کہ ضرررسانی خواہ کسی صورت سے ہو حرام ہے۔ اسی کے موافق حنفی مذہب کا فتویٰ ہے۔ کتاب در مختار میں کہا ہے کہ ایک گھر نیچے کی منزل والا اوپر کی منزل والے کو چھت میں میخ گاڑنے اور سوراخ کرنے سے روک سکتا ہے۔ کتاب نصاب میں کہا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے مکان میں ایسا تصرف کرنا چاہے جسمیں ہمسایہ کا ظاہر ضرر ہو تو وہ روکا جائیگا۔ اور اسی پر فتویٰ ہے۔ ایسا ہی ابن ماجہ کے حاشیہ انجاح الحاجہ میں ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ اس عموم ضرر میں وہ ضرر بھی داخل ہے جو غبن فاحش ادھار یہ سے ہوتا ہے۔ اور اسکو ایک شخص نادانی یا ناچاری سے منظور کرلیتا ہے۔ بالجملہ مسئلہ یازدہم دلائل مسئلہ دہم سے ثابت ہے اور جمہور علماء اسکے قائل ہیں

> قال النبی صلے اللہ علیہ وسلم لا ضرر ولا ضرار فی الاسلام (ابن ماجہ صـ۱۷۰ ابو داؤد صـ۱۵۶ مشکوٰۃ) ظاہر الحدیث تحریم جمیع انواع الضرر الا بدلیل وفی الدر یمنع صاحب السفل علیہ علو من ان یتد الوتد فی سفلہ او ینقب بلا رضا الاخر وھذا ھو القیاس وقال الکل یفعل ما لا یضر وفی النصاب الاصل من تصرف فی ملکہ یضر بجارہ ضررا بینا یمنع والافلا وعلیہ الفتویٰ۔
> (انجاح الحاجہ حاشیہ ابن ماجہ صـ۱۷۰)

(۵ [illegible] (۱۲) [illegible])

© rasailojaraid.com